33ارب کی مشکوک ادائیگیاں

پاکستان میں کون سا ایسا محکمہ ہے، جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہاں کرپشن نہیں ہوتی؟ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈنے سے ایسا محکمہ نہ مل سکے گا۔ المیہ یہ ہیکہ وطن عزیز میں مختلف عہدوں پر فائز افراد اپنے عہدوں کو عوام کی خدمت کرنے کا نہیں، بلکہ لوٹ مار کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جبکہ کسی بھی شخص کو سرکار کی جانب سے کوئی بھی عہدہ صرف اور صرف عوام کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لئے دیا جاتا ہے، مگر یہاں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ چھوٹے سے بڑے تمام ہی عہدوں پر متمکن افراد عوام کی نہیں، بلکہ کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مال بٹورنے کے فلسفے کے تحت دن رات اپنی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ تازہ ترین لوٹ کھسوٹ کی جو کہانی منظر عام پر آئی ہے، وہ ای او بی آئی سے متعلق ہے۔

رپورٹ کے مطابق ای او بی آئی کی جانب سے نیشنل بینک کے ذریعے پنشن کی مد میں 33 ارب روپےکی مشکوک ادائیگیوں پر پبلک اکاؤنٹس کمیٹی نے گزشتہ دنوں نیشنل بینک حکام کو طلب کرنے کے لئے خط لکھا ہے۔ سینیٹر مشاہد حسین سید کے زیر صدارت پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کی ذیلی کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا کمیٹی نے ای او بی ائی میں ہونے والی بیضابطگیوں کا سخت نوٹس لیا کمیٹی نے نیب اور ایف آئی اے کے پاس ای او بی آئی سے متعلق درج مقدمات کی رپورٹ آئندہ اجلاس میں پیش کرنے کی ہدایت کردی۔ ای او بی آئی کی جانب سے پنشن کی مد میں 33 ارب کی مشکوک ادائیگیوں کے معاملے پر کمیٹی نے نیشنل بینک کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اجلاس میں ای او بی آئی کی جائیدادوں کی خرید و فروخت کے دوران ہونے والی مالی بیضابطگیوں اور ملتان روڈ لاہور میں خریدی گئی اراضی سے متعلق معاملے کو بھی جلد حل کرنے کی ہدایت کی گئی۔ اجلاس میں اوورسیز پاکستانیز سے متعلق سال 18-2017 اور 19-2018 کے آڈٹ اعتراضات کا جائزہ لیا گیا۔ آڈٹ حکام نے بریفنگ میں کمیٹی کو بتایا کہ ای او بی آئی اور پرائما کو کے درمیان 2007 میں معاہدہ ہوا معاہدے کے مطابق ایجنٹ منصوبے کو بجٹ اور وقت کے اندر رہتے ہوئے مکمل کرنے کا زمہ دار ہے ای او بی آئی کی جانب سے پرائما کو نے ملٹی پرپزسنی پلیکس اور کمرشل کمپلیکس کے لئے کنٹریکٹ ایوارڈ کیا کنٹریکٹ خلاف ضابطہ طور پر زیادہ ریٹس پر دیا گیا اور 89 کروڑ 20 لاکھ روپے کی ذیادہ ادائیگی کی گئی اور منصوبہ بھی ابھی تک مکمل نہیں ہوا سیکریٹری اوورسیز پاکستانیز ڈویژن نے بتایا کہ معاملہ ایف آئی اے میں ہے، جس پر ایف آئی اے حکام نے بتایا کہ انویسٹی گیشن مکمل ہے، فائنل چالان جلد ہی جمع کیا جائے گا۔ موبلائزیشن ایڈوانس 15 کے بجائے 20 فیصد زیادہ گیا، اس پر کمیٹی نے نیب اور ایف آئی اے سے ای او بی آئی سے متعلق کیسز پر پیش رفت کی تفصیلات طلب کر لیں۔

آڈٹ حکام نے شرکاء ؑ کو بتایا کہ ای او بی آئی کی جانب سے پنشن کی مد میں جنوری 2009 سے جون 2018 تک 33 ارب روپے کی مشکوک پیمنٹ کی گئی آڈٹ حکام کا کہنا تھا کہ رقم نیشنل بینک، تعمیر مائیکرو فائنانس بینک اور بینک الفلاح کے ذریعے تقسیم کی گئی۔ چیئرپرسن ای او بی آئی کا کہنا تھا کہ تعمیر مائیکرو فائنانس بینک اور بینک الفلاح کا ڈیجیٹلائز ریکارڈ جمع کروا دیا گیا ہے، جبکہ آڈٹ حکام نے کہا کہ بڑی رقم نیشنل بینک کی ہے، جواب تک ری کنسلیشن ہو جانی چاہئے تھی۔ نیشنل بینک کو بلا لیا جائے، جس پر کمیٹی نے اس معاملے پر نیشنل بینک کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

دشت تو دشت، مزار بھی نہ چھوڑے ہم نے!

گزشتہ کئی برس سے جاری کرپشن میں اب تک تو زندہ لوگوں کے ساتھ لوٹ کھسوٹ کی کہانیاں ہی سامنے آتی رہی ہیں، مگر سائیں سرکار نے کرپشن کی دنیا میں نئے جھنڈے گاڑتے ہوئے اللہ کے ولیوں اور صوفی بزرگوں کو بھی نہ چھوڑا۔ شاید اس لوٹ مار کے پیچھے یہ سوچ کارفرما ہو کہ یہ اولیاء ؑ اللہ اور صوفی بزرگ تو ویسے بھی زندہ نہیں ہیں اور ان چیزوں کی انہیں ضرورت نہیں ہے، جن کے لئے حکومت نے کروڑوں روپے کا فنڈ دیا ہے، چنانچہ شاید اسی سوچ کے تحت سندھ کے محکمہ اوقاف کے افسران نے صوفی بزرگوں کے مزارات کی مرمت کے فنڈز کو بھی نہ بخشا۔ سندھ کے مزارات کی مرمت اور دیکھ بھال کے فنڈز میں کروڑوں روپے کی مبینہ کرپشن سامنے آئی، جس کے بعد وزیراعلیٰ سندھ کی انسپکشن ٹیم نے محکمہ اوقاف سندھ کے افسران کے خلاف تحقیقات شروع کردی ہے۔ صوفی بزرگ سچل سرمست کے مزار، صوفی بزرگ نور علی شاہ کے تین ہٹی کراچی کے مزار کی مرمت کا فنڈ بھی ہڑپ کر لیا گیا، اس کے علاوہ کنڈے شاہ کورنگی، غائب شاہ کے مزاروں کی مرمت بھی نہ ہوئی، لیکن مرمت کے لئے مختص فنڈز ہڑپ کئے جانے کا انکشاف ہوا ہے، جبکہ محکمہ اوقاف کے دفاتر کی مرمت بھی ہونا تھی، لیکن وہاں بھی کوئی کام نہیں ہوا۔

وزیراعلیٰ انسپکشن ٹیم نے چیف ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف سندھ کو تحقیقات کے لئے طلب کیا تو موصوف پیش ہی نہ ہوئے وزیراعلیٰ معائنہ ٹیم کا کہنا ہے کہ مزار اور محکمہ اوقاف کے دفاتر کے مرمتی کام کے 10 کروڑ روپے فنڈ میں خورد برد ہوئی ہے وزیراعلیٰ سندھ انسپکشن ٹیم کی تحقیقات کے مطابق مزارات کی مرمت نہیں ہوئی، لیکن فنڈز ہڑپ کرنے کے لئے ٹھیکے داروں کو ایڈوانس پےمنٹ ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ وزیراعلیٰ سندھ انسپکشن اینڈ انکوائریز کے ڈائریکٹر جنرل کی تحریری ہدایت کے باوجود چیف ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف اور دیگر افسران اتنے دیدہ دلیر ہیں کہ پیش ہی نہیں ہو رہے۔ ان سب کا تحقیقات کے لئے پیش نہ ہونے کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ انہیں یقینی طور پر سیاسی لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے، ورنہ کرپشن کا الزام آئے اور متعلقہ سرکاری عہدے دار تحقیقات کے لئے پیش نہ ہو، یہ ممکن ہی نہیں۔ ڈی جی وزیراعلیٰ معائنہ ٹیم کا کہنا ہے کہ ٹھیکہ دینے کے لئے معاہدے سے پہلے ہی ٹھیکے داروں کو ایڈوانس ادائیگیوں کے ذریعے مبینہ کرپشن کا انکشاف ہوا ہے۔ اس حوالے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ چیف منسٹر انسپکشن ٹیم کو محکمہ اوقاف کے افسران کے خلاف مزارات اور دفاتر کی مرمت کے کام میں کروڑوں روپے کی مبینہ کرپشن کے خلاف تحریری شکایت موصول ہوئی تھی، جس پر تحقیقات کی گئیں تو یہ خورد برد سامنے آئی۔

تحقیقات آگے بڑھیں تو نقدی کے ساتھ ساتھ صوفی بزرگوں کیمزارات کے لئے دیئے گئے 3 سونے کے تاج چوری ہونے کا انکشاف بھی ہوا۔ اس حوالے سے محکمہ اوقاف سندھ کے کلرک محمد علی شاہ کا نام سامنے آیا۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ حیدرآباد میں صوفی بزرگ عبدالوہاب شاہ جیلانی کے مزار پر گورنر سندھ کی آمد پر 5 تولہ سونے کے 3 تاج چڑھائے گئے تھے گورنر سندھ کی روانگی کے بعد تینوں سونے کے تاج محکمہ اوقاف کا کلرک محمد علی شاہ لے اڑا۔ کلرک کی جانب سے اس چوری کے پیچھے یقیناً یہ سوچ کارفرما ہو گی کہ اللہ کے ولی کو سونے کے تاج کی کیا ضرورت ہے؟ چیف سیکرٹری سندھ، سیکرٹری محکمہ اوقاف اور اینٹی کرپشن کو شکایات کے بعد حیدرآباد میں تعینات محکمہ اوقاف کے ملازم محمد علی شاہ کے خلاف تحقیقات شروع کردی گئی ہے سونے کے تاج اور چادریں بھی سرکاری خزانے میں جمع نہ کرانے کا انکشاف ہوا ہے تحریری شکایت میں کہا گیا ہے کہ کلرک کے عہدے پر فائز محمد علی شاہ حیدرآباد کے تینوں مزارات کا انچارج بنا ہوا ہے۔ درگاہ مکی شاہ کی 5 سال کے دوران لاکھوں روپے کی چادریں اور سونا چاندی بھی بیچ دیا گیا ہے۔ صوفی بزرگ عبدالوہاب شاہ کے مزار کی چادریں اور دیگر ملنے والا سامان بھی کلرک ہڑپ کر گیا۔ اینٹی کرپشن کو محکمہ اوقاف کے انچارج کی مبینہ کرپشن کی شکایت جمال الدین نامی

سماجی کارکن نے کی، یہ سماجی کارکن لائق تحسین ہے کہ اس نے ایک غلط کام ہوتے دیکھا اور جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے خلاف آواز بلند کی، ورنہ پاکستان میں تو یہ رویہ عام ہے کہ ہمیں کیا؟ جس کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ کرنے والے اتنے دیدہ دلیر ہوتے جا رہے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزاروں کو بھی نہیں چھوڑ رہے۔

پولیس کی ناقص کارکردگی کا پول کھل گیا

یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ جن سرکاری عہدے داران کو جو ذمہ داری دی جاتی ہے، ان میں سے اکثر اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کرنے کے بجائے لفاظی اور دعوؤں سے کام لیتے ہیں، جیسے گزشتہ دنوں ڈی آئی جی ساؤتھ عرفان بلوچ نے ایک مقامی اخبار کے نمائندے سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کراچی میں لوگ اب مرتے نہیں ہیں، بس اسنیچنگ ہو رہی ہے۔ ڈی آئی جی ساؤتھ نے ماضی اور حال کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا کہ کراچی کے حالات پہلے کیسے تھے اور اب کیسے ہیں؟ کراچی میں واردات کی ایک تاریخ رہی ہے کراچی 2 سے 3 کروڑ آبادی پر مشتمل ایک بہت بڑا شہر ہے، اگر ماضی کی بات کی جائے تو ایک وقت میں کراچی میں سیاسی تشدد عروج پر رہا ہے۔ 2013 میں کراچی میں 10 سے 15 لوگ روزانہ جان سے جاتے تھے۔ ڈی آئی جی ساؤتھ نے کہا کہ پولیس اور لا انفورسمنٹ نے اس کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کی اور اس میں کامیابی حاصل کی، چنانچہ پہلے کی طرح کرائم اب نہیں ہوتے۔ ڈی آئی جی ساؤتھ نے دعویٰ کیا کہ پہلے لوگ مارے جاتے تھے، اب ایسے کرائم نہیں ہوتے۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ خوری بھی اب نہیں ہوتی، صرف اسنیچنگ ہو رہی ہے۔ ڈی آئی جی صاحب کا فرمانا تھا کہ آج کراچی میں ڈکیتی تو ہو رہی ہے، لیکن یہ ڈر اب کسی میں نہیں ہے کہ کوئی آپ کو اٹھا کر لے جائے گا۔

ڈی آئی جی ساؤتھ کے مذکورہ بالا تمام دعوؤں کی قلعی سی پی ایل سی کی جانب سے جاری کی جانے والی حالیہ رپورٹ سے کھل جاتی ہے، جس میں جنوری سے اپریل 2023 تک 4 ماہ کے دوران ہونے والے جرائم کی تفصیل دی گئی ہے۔ سی پی ایل سی کی رپورٹ کے مطابق روشنیوں کا شہر کراچی جرائم کا اکھاڑہ بن گیا ہے۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، قتل وغارت گری' لوٹ مار' چوری، اغواء برائے تاوان' بھتہ خوری اور بینک ڈکیتی کے متعدد واقعات پیش آئے، جن میں

29 ہزار سے زائد واقعات رپورٹ ہوئے۔ 4 ماہ میں 186 قتل کی وارداتیں رپورٹ ہوئیں۔ ڈکیتی مزاحمت پر 48 افراد قتل کئے گئے۔ شہر میں 29 ہزار 365 وارداتیں رپورٹ ہوئیں۔ 4 ماہ میں 9 ہزار 464 شہریوں کے موبائل فون چھینے گئے، 18 ہزار 953 شہریوں کی موٹر سائیکلیں چوری اور چھینی گئیں، 16 ہزار سے زائد موٹر سائیکلیں چوری ہوئیں۔ 4 ماہ کے دوران شہریوں کو 754 گاڑیوں سے محروم کر دیا گیا۔ اغوا برائے تاوان کی 2، بھتہ خوری کی 5 وارداتیں رپورٹ ہوئیں۔ 211 کاریں، ایک ہزار 69 موٹر سائیکلیں ریکور کی گئیں۔ پولیس 161 موبائل فون ریکور کر سکی۔ ہر ماہ 2 ہزار 366 موبائل فون چھینے گئے، جبکہ ہر ماہ 4738 موٹر سائیکلیں چوری اور چھینی گئیں۔

سی پی ایل سی کی جاری کردہ مذکورہ بالا رپورٹ نہ صرف ہوش ربا، بلکہ انتہائی شرمناک اور ڈی آئی جی ساؤتھ جیسے افسران کے منہ پر طمانچہ ہے، جو اپنے اعلیٰ افسران کی نظروں میں محض اچھا بننے اور نمبر بڑھانے کے لئے "سب اچھا" کی رپورٹ دے کر ان کو گمراہ کرتے ہیں اور عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں، جو ناممکن ہے، کیوں کہ یہ تیز ترین ابلاغ کا دور ہے، جس میں عوام نہ صرف ٹیلی ویژن چینل، سوشل میڈیا، بلکہ اپنے موبائل فون سے ہی حقیقت حال سے اچھی طرح آگاہ رہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ یہ عوام ہی ہیں، جو آئے روز براہ راست جرائم پیشہ لوگوں کا شکار بنتے ہیں اور اپنے دفاع کے لئے کچھ نہیں کر پاتے۔

عوام بدستور ریلیف کے منتظر

ملک کا سیاسی ماحول بدستور گرماگرمی کا شکار ہے جبکہ دوسری جانب مالی سال 24-2023 کیلئے سالانہ بجٹ کی تیاری کا وقت بھی آ گیا ہے، ایسے وقت میں جبکہ ملک کا اقتصادی شعبہ سخت مشکلات سے دوچار ہے، قومی بجٹ کی تیاری بھی دشوار کار ہے، خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق اس وقت وفاقی حکومت اور عالمی مالیاتی فنڈ کے درمیان اسٹاف لیول معاہدہ میں تاخیر کے باعث نئے بجٹ کی تیاری میں شدید مشکلات ہیں، ان مشکلات میں ڈالر اور روپے کی شرح میں تناسب کا تعین نہ ہونے سے بجٹ تخمینہ جات میں دشواری آ رہی ہے، نئے بجٹ کی تیاری کے حوالہ سے میڈیا رپورٹ میں یہ بھی آ رہا ہے کہ اگلے مالی سال میں دکانداروں پر مزید ٹیکس بھی عائد کیے جائیں گے، اس ضمن میں آئی ایم ایف کی شرائط کی روشنی میں اسپیشل اسکیم لانچ کی جائے گی، بجٹ کی تیاری میں مشکلات کا اندازہ اقتصادی شعبہ کے اعداد و شمار سے بھی لگایا جا سکتا ہے، وزارت خزانہ کی جانب سے معیشت کی کارکردگی سے متعلق رپورٹ میں زرمبادلہ کے ذخائر کا حجم 10 ارب ڈالرز بتایا جا رہا ہے جبکہ ملک میں گرانی کی شرح 35.4 فیصد دکھائی جا رہی ہے، رپورٹ میں ماہانہ مہنگائی کی شرح میں 3.7 فیصد اضافہ بتایا جا رہا ہے، اس سب کے ساتھ قابل اطمینان ہے کہ ملک میں گندم کی پیداوار بڑھی ہے اور اس وقت اس کا حجم دو کروڑ 75 لاکھ میٹرک ٹن ریکارڈ ہوا ہے، پیٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں اضافہ ہو یا پھر ڈالر کی بڑھتی قدر، قرضوں کے حصول کیلئے قرض دینے والوں کی شرائط پر عملدرآمد ہو یا ٹیکسوں کے نظام میں رد و بدل، اس سب کا اثر ملک کے عام شہری پر گرانی میں اضافہ کی صورت میں پڑتا ہے۔ ایسے میں گزشتہ روز وزیراعظم شہباز شریف کی جانب سے الیکشن سے قبل عوام کو ریلیف دینے کا عندیہ دیا جا رہا ہے، وزیراعظم کا کہنا ہے کہ اس ریلیف کیلئے ہر ممکن اقدامات کیے جا رہے ہیں، عوام کیلئے ریلیف دینے کا عندیہ حکومت کی جانب سے عوامی مشکلات کے احساس کا عکاس ہے۔ عام شہری کو فوری ریلیف کے طور پر مارکیٹ کنٹرول کا ایسا محفوظ نظام دیا جائے کہ جس میں کم از کم مصنوعی گرانی ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ کا خاتمہ ممکن ہو، اس مقصد کیلئے مرکز اور صوبوں کے تمام اسٹیک ہولڈرز اداروں کو یکجا کر کے موثر حکمت عملی ترتیب دی جا سکتی ہے، اس پلاننگ میں مرضی کے آزمودہ سسٹم کو بھی دیکھا جا سکتا ہے، جس کو جدید دور کی ضروریات سے ہم آہنگ کر کے آپریشنل کر دیا جائے، یہ نظام پہلے مجسٹریسی سسٹم کہلاتا تھا جو جنرل مشرف کے دور حکومت میں ضلعی حکومتوں کا نظام آنے پر ختم کر دیا گیا۔ بعد میں اس کے باوجود کہ مارکیٹ کنٹرول سے متعلق عوامی شکایات میں اضافہ ہی ہوا ہے، اس نظام کو دوبارہ آپریشنل کرنے کی باتیں نتیجہ خیز مرحلہ میں داخل نہ ہو سکیں، درپیش حالات میں ضرورت ملک کو اقتصادی شعبہ میں مستحکم کرنے کیلئے موثر اور دیرپا حکمت عملی کی بھی ہے اس حکمت عملی کیلئے ضرورت وسیع مشاورت کی بھی ہے اس کے ساتھ پوری پلاننگ کو تکنیکی عملہ کیلئے آراستہ کرنا بھی ناگزیر ہے، ضروری یہ بھی ہے کہ یہ ساری منصوبہ بندی حکومتوں کی تبدیلیوں سے متاثر نہ ہو پائے، ساتھ ہی ضروری ہے کہ حکومتی سطح کے اقدامات کو ثمر آور نتائج کا حامل بنانے کیلئے مانیٹرنگ کا خصوصی انتظام بھی کیا جائے۔

محکمہ تعلیم سندھ

تعلیم دشمنوں کے نشانے پر

سندھ کے شعبہ تعلیم کو ایک پڑھے لکھے، قابل اور تعلیم سے جڑے شخص کی اشد ضرورت ہے

جاوید الرحمٰن خان

ویسے تو پورے پاکستان میں شعبہ تعلیم کی کارکردگی انتہائی مایوس کن ہے، مگر سندھ میں اس حوالے سے صورت حال خاصی دگرگوں ہے۔ اس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ دنیا بھر میں ''کرپشن'' پر نظر رکھنے والی عالمگیر تنظیم کی پاکستان میں قآم شاخ ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان نے اپنی سروے رپورٹ 2022 میں پاکستان بھر میں ''کرپشن'' کے حوالے سے کئے گئے سروے کے نتآج کا ذکر کیا ہے، جس میں شعبہ تعلیم کو پاکستان کا چوتھا کرپٹ ترین شعبہ قرار دیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق صوبائی سطح پر کرپشن کے حوالے سے صوبہ سندھ کا پہلے نمبر پر کرپٹ ترین ادارہ محکمہ تعلیم کو قرار دیا گیا، جو کرپشن میں پولیس اور ٹینڈرنگ اینڈ کنٹریکٹ جیسے بدنام شعبہ جات کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ سروے رپورٹ کے مطابق پاکستان کے دیگر تین صوبوں میں سے کسی بھی صوبے میں کرپشن کے حوالے سے شعبہ تعلیم پہلا، دوسرا یا تیسرا مقام بھی حاصل نہ کرسکا۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم اور صحت دو ایسے بُنیادی سماجی شعبے ہیں، جن کا تعلق براہِ راست عوام سے ہوتا ہے، خصوصاً غریب اور متوسّط طبقے کے حوالے سے، ان طبقات کی زندگیاں بہتر بنانے کے ضمن میں تو ان دونوں شعبوں کی اہمیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے اس ل?ے ان دو شعبوں میں کرپشن معاشرتی ناسور کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو 23-2022 کے بجٹ میں سندھ حکومت نے تعلیم کی ترقی کے لیے 1.7 ٹریلین روپے یا 34.217 بلین روپے کے مجموعی بجٹ کا صرف 2 فیصد مختص کیا تھا بجٹ ریکارڈ کے مطابق صوبائی حکومت نے بجٹ میں 2 ارب روپے رکھے تھے۔ پرائمری اسکولوں کو معاون سہولیات کے ساتھ ابتدائی اسکول میں تبدیل کرنے کے لیے 100 ملین روپے رکھے گئے تھے، جبکہ سندھ حکومت نے کراچی کے علاقے کورنگی، کراچی ویسٹ، کیماڑی، ملیر، ٹنڈو محمد خان، ٹنڈو اللہ یار اور سجاول کے اضلاع میں پبلک سیکٹر یونیورسٹی کے کیمپس بنانے کے لیے ایک ارب روپے کی سرمایہ کاری کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ سکھر میں جامع ہائی اسکولز (10 یونٹ) کے قیام کے لیے 100 ملین روپے مختص کئے گئے، جب کہ اتنی ہی رقم صوبے کے دیگر اضلاع میں ہائی اسکولوں کے قیام کے لئے مختص کی گئی۔ سندھ حکومت نے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں سائنس میوزیم کی تعمیر کے لئے 27 ملین روپے مختص کئے۔ لاڑکانہ میں گورنمنٹ اسپیشل ایجوکیشن اینڈ ری ہیبلی ٹیشن سینٹر آف ایکسی لینس آٹزم سینٹر میں ایک سہولت کی تعمیر کے لیے 111 ملین روپے مختص کئے گئے۔ رہائشی فلیٹس کی ترقی کے لئے نئی پیپلز یونیورسٹی آف میڈیکل اینڈ ہیلتھ سائنس برائے خواتین نواب شاہ کیمپس کے لئے 200 ملین روپے مختص کرنے کی تجویز بھی دی گئی۔ گورنمنٹ بوائز ہائر سیکنڈری اسکول سعید خان لغاری کی عمارت 16.5 ملین روپے سے تعمیر کرنے کا اعلان کیا گیا۔ وزیر اعلیٰ سندھ نے بجٹ تقریر میں کہا تھا کہ یونیورسٹیز اینڈ بورڈز ڈیپارٹمنٹ این ای ڈی یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی کیمپس کے گراؤنڈ میں 1.3 ایکڑ اراضی پر ملک کا پہلا مکمل طور پر مربوط سائنس اینڈ ٹیکنالوجی پارک قائم کرے گا، جبکہ 1 ارب روپے کی لاگت سے پرائیویٹ پارٹنرشپ ماڈل تعمیر کیا

جائے گا۔ یونیورسٹیز اینڈ بورڈز ڈیپارٹمنٹ نے 29 اداروں کے لئے توانائی اور پیسہ بچانے کے لئے پبلک سیکٹر کی یونیورسٹیوں کو سولرائز کرنے کی بھی حمایت کی۔ یہ شعبہ انسٹی ٹیوٹ آف فارمیسی لیاقت یونیورسٹی آف ہیلتھ سائنسز جامشورو بھی بنائے گا، جو سالانہ 80 فارماسسٹ تیار کرے گا۔ یہ سارے منصوبے گزشتہ سال کے بجٹ کے موقع پر بنائے گئے تھے، مگر ان کی پیش رفت یا تکمیل کے حوالے سے کوئی مستند رپورٹ منظر عام پر نہیں آئی ہے، جب کہ نیا بجٹ بھی آئندہ ماہ پیش ہونے کا وقت قریب آچکا ہے افسوس ناک بات تو یہ ہے کہ گزشتہ بجٹ میں کھربوں روپے کی خطیر رقم مختص کئے جانے کے باوجود سندھ کے سرکاری اسکولوں کا جو حال ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ گھوسٹ اسکول اور گھوسٹ اساتذہ کا تصوّر صوبہ سندھ کے علاوہ اور کسی صوبے میں نہیں اور اب تو گھوسٹ اساتذہ کے معاملات کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ گزشتہ سال بھی دسمبر میں محکمہ تعلیم سندھ نے صوبے میں " گھوسٹ اساتذہ " کے خلاف بڑا ایکشن لیتے ہوئے ہزاروں ملازمین کی تنخواہیں روک لی تھیں محکمہ تعلیم نے گھوسٹ اساتذہ کی تنخواہیں روکنے کے لئے اکاؤنٹنٹ جنرل سندھ کو خط لکھا، جس میں انہیں سندھ کے 2 ہزار 19 ملازمین کی تنخواہیں فوری روکنے کا کہا گیا تھا۔ اس حوالے سے سیکریٹری تعلیم سندھ اکبر لغاری نے

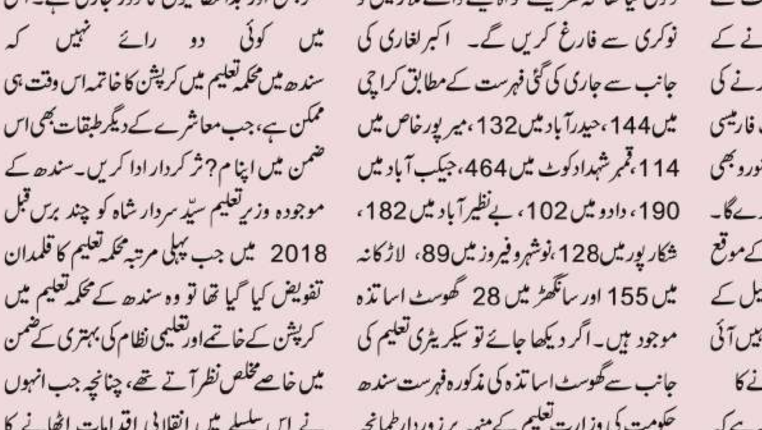

دعویٰ کیا تھا کہ گھر بیٹھے تنخواہ لینے والے ملازمین کو نوکری سے فارغ کریں گے۔ اکبر لغاری کی جانب سے جاری کی گئی فہرست کے مطابق کراچی میں 144، حیدرآباد میں 132، میرپور خاص میں 114، قمبر شہدادکوٹ میں 464، جیکب آباد میں 190، دادو میں 102، بے نظیر آباد میں 182، شکارپور میں 128، نوشہروفیروز میں 89، لاڑکانہ میں 155 اور سانگھڑ میں 28 گھوسٹ اساتذہ موجود ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو سیکریٹری تعلیم کی جانب سے گھوسٹ اساتذہ کی مذکورہ فہرست سندھ حکومت کی وزارتِ تعلیم کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے۔ اس وزارت اور محکمہ تعلیم میں کیسے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، جو گھوسٹ اساتذہ کو تنخواہیں دیئے جا رہیں؟

اسکولوں کو ناکارہ بنانے کے بعد اب سندھ کے تعلیم دشمنوں کا نشانہ محکمہ تعلیم کالجز ہے، جس میں کرپشن اور بدانتظامیوں کا دور جاری ہے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سندھ میں محکمہ تعلیم میں کرپشن کا خاتمہ اس وقت ہی ممکن ہے، جب معاشرے کے دیگر طبقات بھی اس ضمن میں اپنا مؤثر کردار ادا کریں۔ سندھ کے موجودہ وزیر تعلیم سیّد سردار شاہ کو چند برس قبل 2018 میں جب پہلی مرتبہ محکمہ تعلیم کا قلمدان تفویض کیا گیا تھا تو وہ سندھ کے محکمہ تعلیم میں کرپشن کے خاتمے اور تعلیمی نظام کی بہتری کے ضمن میں خاصے مخلص نظر آتے تھے، چنانچہ جب انہوں نے اس سلسلے میں انقلابی اقدامات اٹھانے کا سلسلہ شروع کیا تو اُن سے محکمہ تعلیم کا قلمدان واپس لے کر سعید غنی کے حوالے کردیا گیا، جو بعدازاں دوبارہ اب سیّد سردار شاہ کو تفویض کردیا گیا ہے، مگر اس مرتبہ سیّد سردار شاہ اپنے عزآم کی تکمیل کے ضمن میں بے بس نظر آرہے ہیں یہی وجہ ہے کہ سندھ کا محکمہ تعلیم ایک بین الاقوامی ادارے کی رپورٹ کے مطابق کرپشن میں ملک کے دیگر صوبوں کو پیچھے، بلکہ بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

مذکورہ بالا رپورٹ تو اپنی جگہ، مگر حقیقت یہ ہے کہ سال 2022 سندھ کے تعلیمی شعبے کے لئے بدترین سال رہا۔ اس سال بھی اسکولوں سے گھوسٹ اساتذہ کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ سال 2022 میں سندھ میں تعلیم کے لئے 356 ارب روپے سالانہ بجٹ میں رکھے گئے تھے۔ اس کے باوجود گزشتہ سال تعلیم کے حوالے سے بدقسمت ثابت ہوا اور اسکول ڈراپ آؤٹس کی تعداد بڑھ گئی۔ 5 ہزار اسکولوں کی عمارتیں آج بھی مخدوش ہیں۔ سیلاب آیا تو صوبے میں موجود 49 ہزار اسکولوں میں سے 20 ہزار مکمل تباہ ہوگئے، جس کے باعث 23 لاکھ طلبہ سے تعلیمی سہولیات چھن گئیں اور ان کے تعلیمی مستقبل پر سوالیہ نشان لگ گیا۔ تاحال ان کی بحالی کے لئے کوئی مؤثر اقدامات نظر نہیں آرہے ہیں۔

گزشتہ سال بھی سرکاری اسکولوں کے اساتذہ ملازمت مستقل کرنے کا مطالبہ لئے سڑکوں پر احتجاج کرتے رہے لیکن 2017 میں بھرتی ہونے والے ہیڈ ماسٹرز اور 10 سال سے ملازمت کرتے کنٹریکٹ اساتذہ کے اس احتجاج کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ایک جانب کنٹریکٹ اساتذہ کا ناکام احتجاج تھا تو دوسری جانب سندھ حکومت کو 2022 میں اسکولوں سے گھوسٹ اساتذہ کا خاتمہ کرنے میں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سال بھی کئی اساتذہ کو بغیر حاضری تنخواہ وصول کرنے پر ملازمتوں سے برطرف کیا گیا۔

سندھ میں اعلیٰ تعلیم کی بات کی جائے تو پاکستان کی سب سے بڑی یونیورسٹی جامعہ کراچی بھی سنگین مالی بحران کا شکار رہی۔ انٹرمیڈیٹ کے امتحانات میں شہر قائد سمیت سندھ کے درجنوں کالج کے تمام طلبہ فیل قرار پائے۔ سندھ کے تعلیمی بورڈ کے امتحانات ہوں یا پروفیشنل جامعات و کالجز کے معاملات، تمام امور میں انتظامی بدنظمی دیکھنے میں آئی۔ اس ساری صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ سندھ کے شعبہ تعلیم کو ایک پڑھے لکھے، قابل، باشعور، جدید تقاضوں سے واقفیت رکھنے والے اور تعلیم سے جڑے شخص کی اشد ضرورت ہے، جو محکمہ تعلیم میں انقلابی اقدامات کے ذریعے مثبت تبدیلیاں لاکر " کرپشن " کا بدنما داغ مٹاسکے!

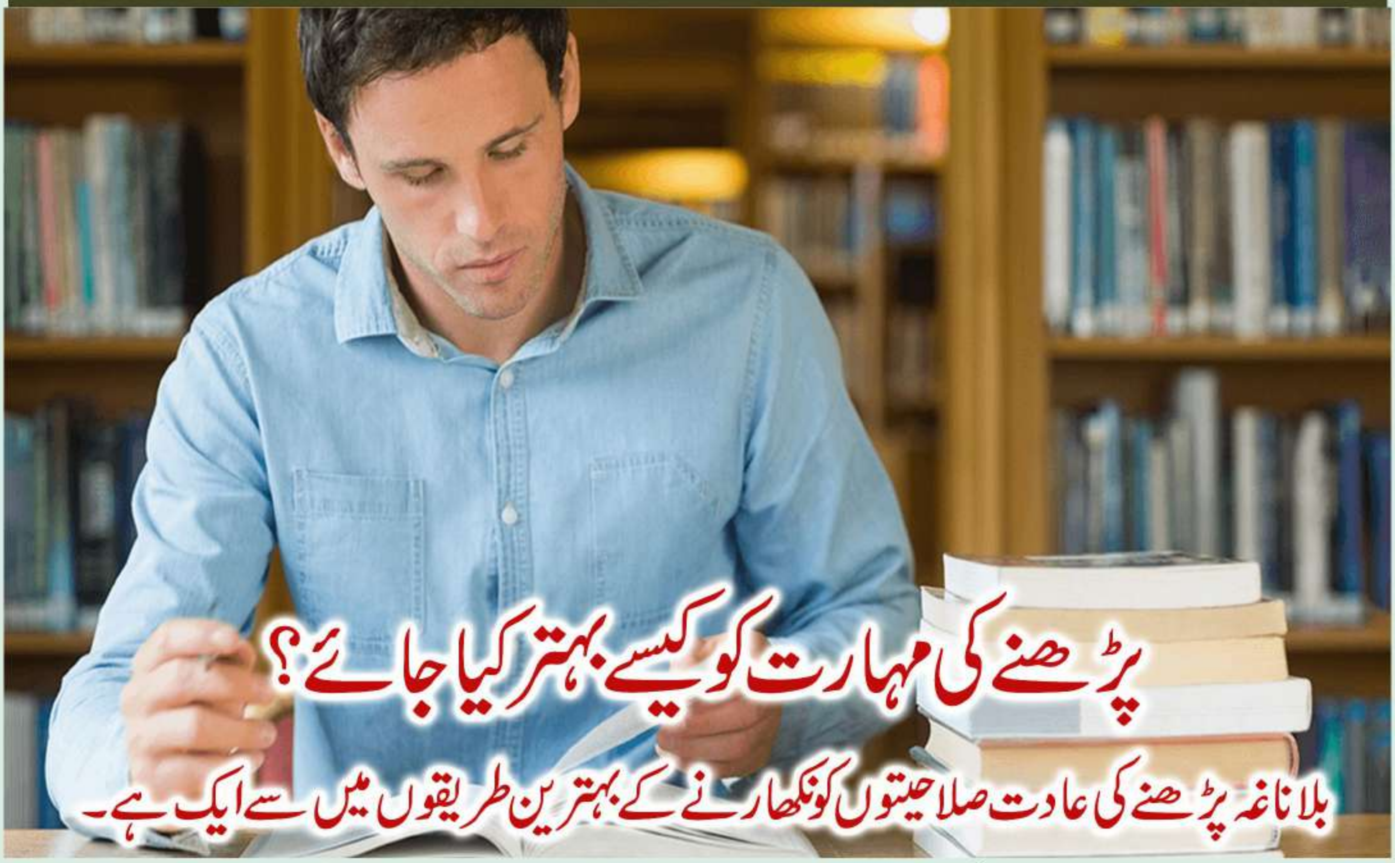

پڑھنے کی مہارت کو کیسے بہتر کیا جائے؟

بلاناغہ پڑھنے کی عادت صلاحیتوں کونکھارنے کے بہترین طریقوں میں سے ایک ہے۔

زین الملوک

انگریزی کی ایک مشہور کہاوت ہے، readers leadersare یعنی ''مطالعہ کرنے والے رہنما ہوتے ہیں''۔

اس کہاوت کی جڑیں اس خیال میں پیوست ہیں کہ جولوگ بڑے پیمانے پر پڑھتے ہیں، وہ زندگی میں رہنمائی کرنے اور کامیاب ہونے کیلیے بہتر طریقے سے تیار ہوتے ہیں۔

پڑھنا ایک بنیادی مہارت ہے جو ہمارے علم کو وسعت دینے سے لے کر تنقیدی سوچ کی مہارتوں کو فروغ دینے تک کے امکانات کی دنیا کھولتی ہے۔

رے بریڈبری (BradburyRay) نے ایک بار کہا تھا ''آپ کو کسی ثقافت کو تباہ کرنے کیلیے کتابیں جلانے کی ضرورت نہیں۔ بس لوگ کتابوں کو پڑھنا چھوڑ دیں، ثقافت خود بہ خود تباہ ہوگی''۔ یہ دوراندیشانہ بیان کم مطالعے کے نتائج کی پیش گوئی کرتا ہے۔ پڑھنا ہمیشہ سے عظیم رہنماؤں کی عادت رہی ہے۔ یہ ترقی، الہام اور نئے خیالات کے سب سے طاقتور ذرائع میں سے ایک ہے۔

پڑھنا آپ کی ذاتی ترقی میں ایک عظیم سرمایہ ہے۔

تاہم! پاکستان میں اکثر لوگوں کی پڑھنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ 2019 کی اینویل اسٹیٹس آف ایجوکیشن رپورٹ (ASER) کے مطابق، 6 سے 16 سال کی عمر کے صرف 49 فیصد بچے اردو یا اپنی علاقائی زبان میں کہانی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ چونکا دینے والی رپورٹ پڑھنے کی مہارت میں ایک اہم خلا کی نشان دہی کرتی ہے، جس کے تعلیمی نتائج اور مستقبل کے مواقع پر شدید منفی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح 2019 میں کرائے گئے اَرلی گریڈ ریڈنگ اسسمنٹ (EGRA) کے مطابق دوسری جماعت کے 49 فیصد بچے سادہ انگریزی متن کا ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ یہ اعداد وشمار پاکستان میں بچوں اور بڑوں میں پڑھنے کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کی اشد ضرورت کو ظاہر کرتے ہیں۔

پڑھنے کی مہارت کو کئی طریقوں سے بہتر بنانا ممکن ہے۔ ذیل میں کچھ سرگرمیوں کی ہدایات دی گئی ہیں، جنھیں آپ اپنے پڑھنے کی مہارت کو بہتر بنانے کیلیے استعمال کرسکتے ہیں۔

پڑھے ہوئے مواد کا خلاصہ پیش کرنا

آپ نے جو پڑھا ہے اس کے بارے میں اپنے علم میں اضافہ کرنے اور پڑھنے کی مہارت کو بہتر بنانے کا ایک مو؟ ثر طریقہ خلاصہ لکھنا ہے۔ خلاصہ لکھتے وقت یہ پیشِ نظر رکھیے کہ متن میں کیا اہم ہے اور پھر اسے اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔ خلاصہ آپ کو اس بات کا تعین کرنے میں مدد دیتا ہے کہ آیا آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اسے آپ واقعی سمجھتے ہیں اور اسے طویل مدت تک بہتر طور پر یاد رکھ سکتے ہیں۔ نیز کسی بھی متن کی مخصوص تفصیلات، مرکزی عنوانات اور معلومات کا اپنے کسی دوست سے اشتراک کرنا یا خلاصہ لکھنا اسے بہتر طریقے سے سمجھنے اور اپنے ذہن میں برقرار رکھنے میں معاون ہوگا۔

پڑھتے وقت اہم نکات قلم بند کرنا

پڑھنے کے دوران اہم نکات لکھنا آپ کے پڑھنے کی مہارت کو بہتر بنانے کا ایک اور انتہائی مو؟ ثر طریقہ ہے۔ آپ افسانوی ادب یا سائنس جرنل یا کوئی اور تاریخی کتاب پڑھتے ہوئے نئے الفاظ یا اپنے تآثرات لکھ سکتے ہیں۔ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں اس کے بارے میں سوالات پوچھ سکتے ہیں اور جب آپ مؤثر انداز میں اہم نکات قلم بند کرلیتے ہیں تو سوالات، اپنی تفہیم اور متن کو اچھے انداز میں جوڑ سکتے ہیں۔ اسی طرح چارٹ، جدول، ڈائیگرام، گراف بنانا اور موضوعات کے ذریعے خیالات کو واضح کرسکتے ہیں جو کہ آپ کو متن سے نتائج اخذ کرنے میں مدد کریں گے۔

پڑھنے کی کلیدی حکمت عملی استعمال کرنا

جب آپ مختلف عبارتیں پڑھتے ہیں تو آپ کئی کلیدی حکمت عملیوں کو اپنا کر اپنی سمجھ کو بڑھا سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی متن کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ اس کی ساخت کو معلوماتی، تحقیقی، ہدایتی یا تدریسی ساخت کے طور پر پہچان سکتے ہیں۔ آپ مختلف متن کی اہم خصوصیات مثلاً مرکزی موضوعات، مسائل اور ان کا حل یا تقابلی نظریات کی بھی شناخت کرسکتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ متن کی خصوصیات کی نشان دہی کرکے، مختلف امور کے مقاصد کا تعین کرکے، اور نوٹس لے کر اپنے پڑھنے کی مہارت کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

مقصد کا تعین کرنا

مختلف عبارتوں کو پڑھتے ہی ان کے مقصد کا تعین کرنے کی مشق کیجیے۔ تھوڑا سا غور کیجیے کہ مختلف تحریریں کیوں لکھی گئیں اور ان سے کیا نکات، مرکزی خیال یا مزید موضوعات اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ پڑھنے کے مقصد مثلاً معلومات تلاش کرنا، دی گئی ہدایات پر عمل کرنا، یا کہانی سے لطف اندوز ہونے کی شناخت کرسکتے ہیں۔ جب آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ وہ متن کیوں پڑھ رہے ہیں تو آپ اُس متن سے کلیدی خیالات اور تفصیلات تلاش کرسکتے ہیں جو اس مقصد کی تکمیل میں مددگار رہیں۔

متن کے ذیلی عنوانات کو پہلے سے پڑھنا

پڑھنے کی مہارت کو بہتر بنانے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ متن کا جائزہ لیجیے اور سرسری مطالعہ کیجیے۔ اس حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے، آپ عنوانات، ذیلی عنوانات، موضوعاتی سطور اور دیگر متن کی خصوصیات کا جائزہ لے سکتے ہیں تا کہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ آگے آپ کیا پڑھیں گے۔ پیشگی عنوانات پڑھنا آپ کو اُس متن کے پسِ پردہ بنیادی خیالات کو تشکیل دینے میں مدد دے سکتا ہے۔

پڑھنے کیلیے اہداف مقرر کرنا

اپنے لیے پڑھنے کے اہداف کا تعین کرنا ممکن اور ضروری ہے تا کہ وسیع ذخیرہ؟ الفاظ تیار کیا جا سکے، مختلف متون کی گہرائی سے سمجھ حاصل کی جا سکے اور جو کچھ آپ پڑھتے ہیں، اسے اپنے نقطہ ؟ نظر سے جوڑنے کی اپنی صلاحیت کو بہتر بنا سکیں۔ اگر آپ طب، ریاضی، معاشیات، ٹیکنالوجی یا کسی دوسرے مضمون میں دلچسپی رکھتے ہیں تو آپ اس موضوع سے متعلق مختلف الفاظ کو سیکھنے کا ہدف مقرر کر سکتے ہیں۔ جیسے جیسے آپ پڑھتے جائیں، آپ غیر مانوس الفاظ کے معنی دریافت کر سکتے ہیں جو آپ کے ذخیرہ الفاظ کو وسیع کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے

ہر روز پڑھنے کیلیے وقت نکالنا

بلاناغہ پڑھنے کی مشق اور عادت آپ کی صلاحیتوں کو نکھارنے کے بہترین طریقوں میں سے ایک ہے۔ یہ مشق بالآخر آپ کو پڑھنے کی مہارت کو فروغ دینے میں مدد کرے گی اور آپ ہر روز پڑھنے کیلیے 10 سے 15 منٹ مختص کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنے پڑھنے کی مہارت بہتر بنانے کیلیے روزانہ وقت نکالیں تو آپ اخبار کے مضامین، افسانے، میگزین کی اشاعتیں، یا کسی اور قسم کے پیچیدہ متن کو پڑھ کر آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

اپنے ذخیرہ الفاظ کو بہتر بنانا

مختلف الفاظ کا مطلب جاننا متن کے مفہوم کو سمجھنے میں آپ کی صلاحیت کو بہتر بنا سکتا ہے۔ اپنے الفاظ کے ذخیرے کو بہتر بنانے کیلیے آپ درج ذیل کام کر سکتے ہیں:

الفاظ کی سمجھ کی اپنی موجودہ سطح کا اندازہ لگانے کیلیے کسی آن لائن الفاظ کا کوئز لیجیے۔

آپ ہفتے میں ایک یا دو بار فلیش کارڈز کے ذریعے ایسے الفاظ پر اپنے آپ کو جانچنے کی کوشش کیجیے جن کا مطلب آپ نہیں جانتے۔

زبانی اور تحریری بات چیت میں نئے سیکھے ہوئے الفاظ استعمال کرنے کی مشق کیجیے۔

کسی مخصوص سیاق وسباق میں کسی لفظ کے مطلب کا اندازہ لگانے کی اپنی صلاحیت کو بہتر بنانے کیلیے زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی عادت اپنائیے۔

جب بھی آپ کوئی کتاب یا عبارت پڑھیں تو غیر مانوس الفاظ کی فہرست بنائیے اور لغت سے ان کے معنی تلاش کیجیے۔

متن کے بارے میں سوالات کے ساتھ پڑھنا

آپ جو متن پڑھ رہے ہیں اس کے بارے میں سوالات پوچھنا آپ کے پڑھنے کی سمجھ کو بہتر بنانے میں مدد کر سکتا ہے۔ یہ آپ کو موضوعات، گراف، اشکال، تصاویر، ڈائیگرام اور متن کے دوسرے اجزا کو دریافت کرنے کے قابل بنا کر آپ کی مجموعی سمجھ کو بھی وسیع کر سکتا ہے جن کے بارے میں آپ بہ صورتِ دیگر شاید تفصیل اور باریکی سے جاننے کی کوشش نہ کریں۔ کوئی بھی متن پڑھتے ہوئے آپ اپنے آپ سے درج ذیل سوالات پوچھ سکتے ہیں:

مصنف نے کتاب کا آغاز اسی مقام سے کیوں کیا؟

کتاب کے مختلف کرداروں میں کس قسم کا تعلق ہے؟

پڑھتے وقت آپ اُس وقت تک کے مرکزی کردار کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

کیا کوئی ایسے موضوعات ہیں جو پوری کتاب میں تسلسل کے ساتھ سامنے آئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ان کا کیا مطلب ہے؟

آپ کے سوالات جتنے زیادہ مخصوص ہوں گے متن اوراس کے معنی میں مزید بصیرت حاصل کرنے کے اتنے ہی زیادہ امکانات ہوں گے۔

سیاق وسباق کے اشارے استعمال کرنا

سیاق وسباق کے اشارے کا استعمال یہ سمجھنے کا ایک بہترین طریقہ ہے کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں، یہاں تک کہ اگر آپ کو استعمال ہونے والے تمام الفاظ کا علم نہ بھی ہو۔ سیاق وسباق کے اشارے کچھ مخصوص الفاظ (جن سے آپ واقف نہیں) کے اردگرد کے الفاظ اور جملوں کی صورت میں مل سکتے ہیں۔ سیاق وسباق کے اشارے استعمال کرنے کیلیے آپ جملے کے کلیدی ٹکڑوں یا خیالات پر توجہ مرکوز کر سکتے ہیں اور اُن معلومات کی بنیاد پر کسی جملے یا پیراگراف کے مرکزی خیال کو اخذ کر سکتے ہیں۔ آپ ایسے الفاظ کو بھی تلاش کر سکتے ہیں جو کسی مخصوص لفظ کے مترادف یا متضاد ہیں، جن کا مطلب پہلے سے آپ کو معلوم نہیں تھا۔

مرکزی خیال تلاش کرنا

کسی پیراگراف یا مضمون کے مرکزی خیال کی نشان دہی کرنے سے آپ کو مضمون کی اہمیت کا تعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ کیوں ضروری ہے، اس سے آپ کو یہ جاننے میں مدد مل سکتی ہے کہ مصنف کیا بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پڑھتے وقت ہر چند پیراگراف کے بعد رکیے اور دیکھیے کہ کیا آپ اُس متن کے مرکزی خیال کو سمجھ سکے ہیں۔ اس کے بعد مزید سمجھنے کیلیے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کیجیے۔

پڑھنے کے مواد کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنا

اگر آپ طویل یا زیادہ مشکل متن پڑھ رہے ہیں تو اسے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کرنے پر غور کیجیے۔ مثلاً آپ ایک وقت میں دو پیراگراف پڑھیے اور پھر جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کا فوری خلاصہ کرنے کیلیے رکیے۔ متن کو یوں چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے پڑھنا آپ کو زیادہ پُر جوش انداز میں مگر بغیر تفہیم کے پڑھنے کے بہ جائے کم مغلوب ہونے میں مدد دے سکتا ہے اور آپ کو متن میں موجود معلومات کو صحیح معنوں میں سمجھنے کا ایک بہتر موقع فراہم کر سکتا ہے۔

روانی سے پڑھنے کا جائزہ لینا

پڑھنے میں اپنی روانی کا جائزہ لینا بھی آپ کے پڑھنے کی فہم کی مہارتوں پر کام کرنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے، جس سے آپ اپنے پڑھنے کی مشق اور عادات کیلیے حقیقت پسندانہ اہداف طے کر سکتے ہیں۔ یہ خاص طور پر ان کتابوں یا تحاریر کیلیے درست ہے جو آپ کو مشکل لگتی ہیں۔ روزانہ کی بنیاد پر پڑھنے کیلیے اپنے لیے ایک ایسے مقصد کا تعین کیجیے جسے آپ باآسانی حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنے کے بجائے کہ آپ دو دن میں ایک پوری کتاب پڑھ سکتے ہیں، یہ عہد کیجیے کہ آپ ایک رات میں اس کتاب کے صرف تین ابواب پڑھیں گے۔ یہ آپ کو اپنے اہداف تک پہنچنے میں مدد دے گا اور ہر نشست کے درمیان آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں، اس کا جائزہ لینے کیلیے آپ کو مناسب وقت بھی فراہم کرے گا۔

مطالعہ کرنے والے واقعی رہنما ہیں۔ پڑھنا ایک اہم ہنر ہے جو علم میں توسیع، تنقیدی سوچ کی مہارتوں کو فروغ دینے اور زبان کی مہارت کو بہتر بنانے سمیت متعدد فوائد فراہم کرتا ہے۔ تاہم! پاکستان میں افراد، خاص طور پر بچوں میں پڑھنے کی صلاحیتوں میں نمایاں فرق ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کیلیے، ہمیں پڑھنے کے کلچر کو فروغ دینے، کتابوں اور ڈیجیٹل وسائل تک رسائی بڑھانے، لطف اٹھانے کیلیے پڑھنے کی حوصلہ افزائی اور اساتذہ کیلیے تربیت فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنے سے ہم پاکستان میں افراد کی پڑھنے کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور انھیں کامیابی کے راستے پر گامزن کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

کسی پیراگراف یا مضمون کے مرکزی خیال کی نشان دہی کرنے سے آپ کو مضمون کی اہمیت کا تعین کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ کیوں ضروری ہے، اس سے آپ کو یہ جاننے میں مدد مل سکتی ہے کہ مصنف کیا بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پڑھتے وقت ہر چند پیراگراف کے بعد رکیے اور دیکھیے کہ کیا آپ اُس متن کے مرکزی خیال کو سمجھ سکے ہیں۔ اس کے بعد مزید سمجھنے کیلیے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کیجیے۔

عمران خان کی گرفتاری پر شر انگیزی

جس بات کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ حالات بہتری کے بجائے مزید ابتری کی طرف جارہے ہیں

جس بات کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ حالات بہتری کے بجائے مزید ابتری کی طرف جارہے ہیں۔ عمران خان اس وقت نیب کی تحویل میں جاچکے ہیں۔ اور پی ٹی آئی کی کارکنان شرانگیزی پر اتر آئے ہیں۔
لکھاری چیختے رہے کہ نواز شریف کی جہاز میں سے گرفتاری ہو یا مریم نواز کو پابند سلاسل کرنا، شہباز شریف کو قید و بند کی صعوبتیں دینا مقصود ہو یا حمزہ شہباز پر سختیاں، خواجہ برادران کی اسیری ہو یا شاہد خاقان عباسی پر مشقِ ستم، میمن کی گرفتاری ہو یا زرداری کو سلاخوں کے پیچھے لے جانا، سب میں غلط طریقہ کار اپنایا گیا اور سب میں اداروں کو غلط اور اپنے مفادات کیلیے استعمال کیا گیا۔ لیکن کوئی ماننے کو تیار نہیں ہوا۔
آج وہی سب خود عمران خان کے ساتھ ہوا تو ان کے حواری نہ صرف چیخ رہے ہیں بلکہ اداروں کی بیخ کنی کو بھی اپنا مشغلہ بنالیا ہے۔ کل بھی گرفتاریاں غلط انداز وطریقے سے ہوئی تھیں اور آج عمران خان کی گرفتاری کے وقت بھی اپنایا گیا طرز عمل درست نہیں تھا۔ لیکن سمجھے کون؟ سمجھایا کسے جائے؟ کرسی اقتدار کا نشہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس پر جو بیٹھا ہو اسے مستقبل دکھائی ہی نہیں دیتا۔
عمران خان کی گرفتاری کیوں ہوئی، اس کی وجوہات کیا ہیں، اور اس انداز کو کیوں اپنایا گیا؟
اس بحث سے مکمل قطع نظر ہم اس کو ایک اور الگ انداز سے دیکھتے ہیں۔ گرفتاری پر بحث ہوسکتی ہے کہ غلط ہوئی یا درست، لیکن اس کے بعد جو رویہ اپنایا گیا وہ مکمل طور پر غلط ہے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے کم از کم چھ مقامات پر راقم الحروف کا مشاہدہ رہا کہ جس انداز سے پاکستان تحریک انصاف کے کارکنوں نے املاک کو نقصان پہنچایا، اس سے تو یہ پارٹی اپنے ہی مقصد سے دور ہورہی ہے۔ جس انداز سے احتجاج کو پرتشدد بنایا گیا اور آگ بھڑکائی جارہی ہے، اس سے تو انتخابات مزید تاخیر کا شکار ہوجائیں گے۔ اور اس میں نقصان کس کا ہوگا؟
اکتوبر و نومبر تو دور، ان حالات میں تو انتخابات غیر معینہ مدت کیلیے ملتوی ہوسکتے ہیں۔
اختلافات اپنی جگہ، لیکن اس پورے قضیے میں فوج کا کردار انتہائی احسن رہا اور یقینی طور پر اگر فوج ایسا کردار ادا نہ کرتی تو معاملات بالکل الگ رخ اختیار کر لیتے اور عوام اور فوج آمنے سامنے آجاتے۔

راولپنڈی میں حساس ترین مقام پر شر پسند عناصر نے جس طرح مرکزی گزرگاہ کو توڑا اور جس طرح وہاں پر نصب جوانوں کے مجسموں کو توڑا، وہ ہر لحاظ سے قابل مذمت اور افسوس ناک ہے۔ اس کے جواب میں فورسز کا ردعمل اس حوالے سے احسن رہا کہ چند شر پسند عناصر اس پوری صورتحال کو عوام اور فوج کو آمنے سامنے لانے کیلیے استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن صبر کا دامن تھامتے ہوئی کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کرنے سے حالات کچھ دیر بعد ہی معمول پر آنا شروع ہوگئے۔
کور کمانڈر ہاؤس میں جس طرح کا طرز عمل کچھ عناصر نے اختیار کیا، وہ کسی بھی لحاظ سے تحسین کے قابل ہے تو وہ رخ جاننے کا راقم الحروف بھی منتظر ہے۔ لیکن وہاں بھی کچھ عناصر کی شر پسندی کا مقابلہ جس برداشت سے کیا گیا اس سے نہ صرف ایک بہت بڑے سانحے سے بچنا ممکن ہوسکا بلکہ ایک مثبت تاثر بھی ابھرا۔
رات گئے ایمرجنسی کی افواہیں اسی لیے زیر گردش رہیں کہ فوج جیسے ادارے کیلیے اپنی توقیر سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ لیکن اس ادارے نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہوئے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے احسن طریقے سے نمٹایا۔ اگر خدانخواستہ فوج کی طرف سے بھی اس پورے معاملے میں دانشمندی کا ثبوت نہ دیا جاتا تو حالات یکسر تبدیل ہوچکے ہوتے۔ جمہوریت پسندوں کی یہ استقامت مبارک، جمہوری رویوں کو یہ برداشت مبارک، لیکن ہائے افسوس کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے جارہے ہیں۔

مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا اصولی موقف اور حل

صرف احتجاج اور زبانی جمع خرچ سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہوگا

ضیاالرحمٰن ضیا

بارہ برس کے بعد کسی پاکستانی وزیر خارجہ نے بھارت کا سرکاری دورہ کیا۔ یہ دورہ اگرچہ براہ راست بھارت کی دعوت پر نہیں تھا بلکہ پاکستان کو شنگھائی تعاون تنظیم کے اجلاس میں شرکت کیلیے بھارت مدعو کیا گیا تھا۔ وہاں پاک بھارت وزرائے خارجہ کے درمیان ہونے والے مختصر ملاقات خوشگوار رہی مگر بعد میں روایتی دشمنی کا اظہار کرتے ہوئے دونوں نے ایک دوسرے پر تنقید کے نشتر برسائے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ بلاول بھٹو زرداری نے دورہ بھارت کے دوران وہاں پر بھی پاکستان کا اصولی موقف دنیا کے سامنے رکھا اور واپس پاکستان آ کر بھی بھارتی وزیر خارجہ کی تنقید کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔

ٹھیک ہے کہ دنیا میں آواز بلند کرنا ضروری ہوتا ہے، کسی مسئلے پر بالکل خاموش ہو جانا انتہائی نقصان دہ ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیے کہ ہم جتنا چاہیں اصولی موقف دنیا کے سامنے رکھیں، جتنا چاہے واویلا کریں، جتنا چاہے شور مچائیں، کچھ بھی بولیں کچھ بھی کہیں، لیکن کشمیر کی گیم بھارت کے ہاتھ میں ہے، بھارت نے آئینی ترامیم کر کے کشمیر کو اپنا حصہ بنالیا ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ نے بھارت میں بیٹھ کر پاکستان کا اصولی موقف شنگھائی تعاون تنظیم کے سامنے رکھا، پاکستان آ کر بھی انہوں نے مسئلہ کشمیر پر بات کی لیکن یہ بھی دیکھیے کہ اسی دن بھارت نے 2 کشمیری نوجوانوں کو شہید کر دیا اور اپنا غصہ انہوں نے وہاں اتارا۔ کیونکہ بھارت کا بس وہاں تک ہی چلتا ہے، پاکستان پر براہ راست حملہ کرنے کی جرآت تو وہ نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے وہ مظلوم اور نہتے کشمیریوں پر اپنا غصہ اتارتے ہیں۔ انہیں بھی معلوم ہے کہ پاکستانیوں کے دل میں کشمیریوں کیلیے کیا جذبات ہیں۔ حکمران نہ سہی عوام تو کشمیری بھائیوں کیلئے فکر مند رہتے ہیں۔

بھارتیوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ جب کشمیر میں ظلم وستم کیا جاتا ہے تو پاکستانی کتنے غمگین ہو جاتے ہیں اور انتہائی بے بس اور لاچار ہونے کی وجہ سے یہ غم مزید بڑھ جاتا ہے۔ اگر انسان کے ہاتھ میں کچھ ہو اور بدلہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر وہ غم اتنا زیادہ محسوس نہیں ہوتا لیکن جب انسان بدلہ بھی نہ لے سکتا ہو اور اپنے بھائیوں پر ظلم وستم بھی ہوتے دیکھ رہا ہو تو غم کی شدت مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت نے پاکستان سے شاید بدلہ لینے کیلیے اسی دن، جب پاکستان میں بھارت کے خلاف مسئلہ کشمیر کے حوالے سے آواز بلند کی گئی، انہوں نے کشمیر میں ریاستی دہشت گردی کا ثبوت دیتے ہوئے 2 نوجوانوں کو شہید کر دیا۔

پاکستان کے باتیں کرنے، شور مچانے یا کچھ بھی کہنے، کچھ بھی کر لینے سے مسئلہ کشمیر حل نہیں ہونے والا اور نہ ہی بھارت کو کوئی خاطر خواہ فرق پڑنے والا ہے۔ مسئلہ کشمیر ایک فوجی مسئلہ ہے، جو فوج کے ذریعے ہی حل ہوگا۔ جب تک دونوں فوجیں آپس میں نہیں ٹکرائیں گی، یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ہماری 75 سالہ تاریخ یہی کہتی ہے۔ کیونکہ ہم نے فوج کے علاوہ ہر طریقہ آزما لیا ہے، ہم نے ہر طرح کی کوششیں کر لی ہیں۔ اقوام متحدہ میں ہم نے کتنا شور مچایا، عالمی سطح کا کوئی اجلاس ایسا نہیں جس میں ہم نے مسئلہ کشمیر کو اجاگر نہ کیا ہو۔ کشمیر کیلیے ہم نے کتنے ایام مختص کر رکھے ہیں، ہم وہ بھی جوش وخروش سے مناتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں، بیانات دیتے ہیں، امن کے نعرے لگاتے ہیں، اپنا موقف دنیا کے سامنے رکھتے ہیں، مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم نے ہر طرح کی کوششیں کر لیں اور ایک بار نہیں لاتعداد بار ہم نے یہ کوششیں کیں۔ لیکن ان کا کیا نتیجہ نکلا؟ یہی کہ پہلے بھارت نے کشمیر کو خصوصی حیثیت دے رکھی تھی اور اب کشمیر کی وہ خصوصی حیثیت بھی انہوں نے چھین لی اور کشمیر کو باقاعدہ طور پر اپنا حصہ بنالیا ہے۔ وہاں ہندوؤں کو شہریت دی جارہی ہے جس کا مقصد صرف کشمیری مسلم اکثریتی آبادی کو اقلیت میں تبدیل کرنا ہے۔

یہ صورتحال نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ہے۔ مسئلہ کشمیر کبھی بھی اس طرح حل نہیں ہوگا جس طرح سے ہم حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک طرف سے فوج نے حملہ کیا ہوا ہے، 75 سال سے فوج وہاں پر تعینات ہے اور دوسری طرف سے صرف اپنا اصولی موقف بیان کرنے، زبانی کلامی بیانات داغنے سے اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ صرف اور صرف دیوانے کا خواب ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کیلیے طاقت کی ضرورت ہے۔ اب ارباب اختیار کو یہ دیکھنا ہوگا کہ فوج کے ذریعے اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے۔

تمباکو نوشی میں کمی؛ مہنگائی کا مثبت اثر

ہیلتھ ورکرز اور سول سوسائٹی کی تنظیموں نے حکومت سے سگریٹ پر ٹیکس بڑھانے کا مطالبہ کیا ہے۔ مہنگائی کے باعث پاکستان میں سگریٹوں کی کھپت کم ہوئی ہے۔

زین الاسلام / نثار رسول

رپورٹ کے مطابق مہنگائی کے باعث پاکستان میں سگریٹوں کی کھپت کم ہوئی ہے۔

تمباکو نوشی معاشرے میں تیزی سے پھیلتی ہوئی ایک ایسی سرگرمی ہے، جس کے فوائد تو کچھ بھی نہیں لیکن نقصانات لاکھوں اموات اور اربوں روپے کے ضیاع کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

تمباکو نوشی جیسی سرگرمی جو بڑی عمر کے افراد سے منسوب تھی اور کسی حد تک اس کی حدود و قیود بھی متعین تھیں، اب وقت کے ساتھ ساتھ اس قدر پھیل چکی ہے کہ نوعمر لڑکے لڑکیاں بغیر کسی قانونی روک ٹوک اور معاشرتی باز پرس کے بے دھڑک سگریٹ استعمال کرتے دیکھے جاتے ہیں۔

ورلڈ ان ڈیٹا کی رپورٹ کے مطابق 20 ویں صدی میں تمباکو نوشی سے 10 کروڑ سے زائد اموات واقع ہوئیں، جبکہ اس وقت سالانہ لگ بھگ 80 لاکھ افراد تمباکو نوشی کے باعث موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

تمباکو نوشی کے اس بڑھتے رجحان میں ایک اچھی خبر یہ آئی ہے کہ کیپیٹل کالنگ نامی تنظیم کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق مہنگائی کے باعث پاکستان میں سگریٹوں کی کھپت کم ہوئی ہے۔ یعنی یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شکریہ مہنگائی!

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حالیہ مہنگائی کے باعث شہریوں کی قوت خرید کم ہوئی ہے، جبکہ حکومت کی جانب سے سگریٹ پر اضافی ٹیکس عائد کیے گئے ہیں، جس سے ہر عمر کے افراد بالعموم اور بالخصوص ایسے نوعمروں میں تمباکو نوشی میں کمی واقع ہوئی ہے جو اپنے جیب خرچ سے سگریٹ خریدنے کے عادی ہیں۔

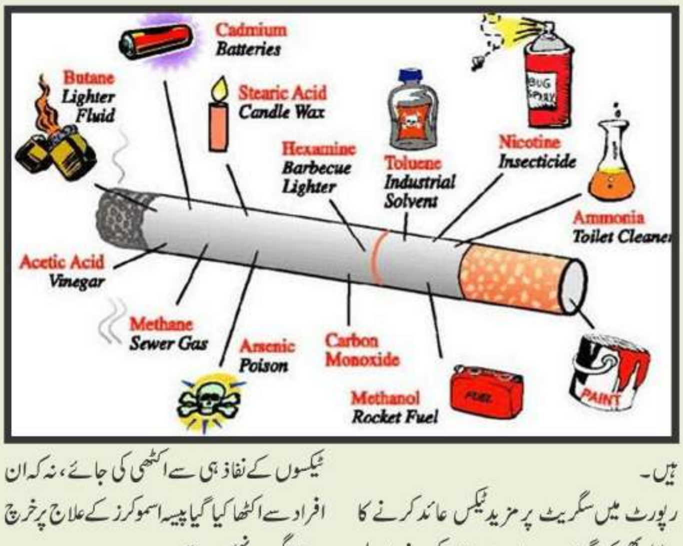

رپورٹ میں سگریٹ پر مزید ٹیکس عائد کرنے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ رپورٹ مرتب کرنے والے ماہرین نے کہا ہے کہ حکومت سگریٹ پر ٹیکسوں کے نفاذ سے حاصل ہونے والی آمدن اکٹھی کرنے کا ایسا طریقہ کار بنائے جس کے ذریعے یہ آمدن براہ راست صحت کے مسائل حل کرنے کیلیے استعمال ہو۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سگریٹ نوشی کے باعث کینسر، ذیابطیس، پھیپڑوں اور دل کی بیماریوں جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں، جن کے علاج پر سرکاری و نجی شعبے میں سالانہ اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ رقم سگریٹ پر ٹیکسوں کے نفاذ ہی سے اکٹھی کی جائے، نہ کہ ان افراد سے اکٹھا کیا گیا پیسہ اسموکرز کے علاج پر خرچ ہو جو سگریٹ نہیں پیتے۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نوعیت کے میکنزم کی دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں مثالیں موجود ہیں اور پاکستانی حکومت با آسانی ایسا نظام مرتب کرسکتی ہے، جس سے نہ صرف تمباکو نوشی کا رجحان کم ہوگا، بلکہ اس سے ہونے والی بیماریوں کا علاج بھی آسان ہوگا۔

تمباکو نوشی کے رجحان کی حوصلہ شکنی کے سلسلے میں عالمی ادارہ صحت نے بھی حال ہی میں ایسی گائیڈ لائنز جاری کی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ حکومتیں، ادارے اور عوام مختلف طریقوں سے سگریٹ نوشی کی حوصلہ شکنی کریں، جس میں حکومت کے پلڑے میں ٹیکسوں کے نفاذ جیسے اقدامات تجویز کیے گئے ہیں۔

اعداد و شمار کے مطابق پاکستانی حکومت کی جانب سے حال ہی میں سگریٹ پر نافذ کی گئی فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی سے سالانہ 60 ارب روپے اضافی ریونیو جمع ہوگا۔

پاکستان اور تیسری دنیا کے دیگر ممالک میں مقامی اور غیر ملکی کمپنیاں ٹیکس چھوٹ کے ایسے درجنوں طریقے تلاش کرلیتی ہیں، جس کے باعث انسداد تمباکو نوشی کے اہداف حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ ٹیکسوں کی ادائیگی سے بچنے کیلیے یہ کمپنیاں سگریٹ کی پیداوار کم ظاہر کرتی ہیں اور یوں ایک طرف قومی خزانے کا ٹیکس چوری کی مد میں اربوں روپے کا نقصان پہنچایا جاتا ہے تو دوسری جانب تمباکو نوشی کے رجحان میں اضافے کے باعث قیمتیں جانیں

ضائع ہوتی ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق 2020-21 میں لگ بھگ 4 ارب سگریٹ اسٹک کم رپورٹ کی گئیں۔ سال بہ سال کے اندازوں سے پتہ چلتا ہے کہ 2018-19، 2019-20 اور 2020-21 میں سگریٹ کے استعمال میں بالترتیب 7.8 فیصد، 7.9 فیصد اور 8.6 فیصد کی کمی رپورٹ ہوئی۔ جس سے مجموعی طور پر حکومت کو گزشتہ 3 برسوں میں 23.5 ارب روپے سے زائد کے محصولات کا نقصان ہوا۔

دنیا میں کورونا وبا کے بعد معیشت اور نظام صحت پر اس قدر دباؤ ہے کہ حکومتیں اور ادارے اس بات کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں کہ تمباکو نوشی اور اس جیسی دیگر منفی سرگرمیوں اور عادات کے باعث پیدا ہونے والا خود ساختہ دباؤ کم کیا جائے، تاکہ وبا اور ایسے امراض جن پر قابو پانا انسانی بس سے باہر ہے، ان پر پوری توجہ مرکوز کی جاسکے۔

اسی فلسفہ کو لیے دنیا کے مختلف کونوں سے تمباکو نوشی کے خلاف آوازیں اٹھنا شروع ہوگئی ہیں اور رفتہ رفتہ یہ مہم انسانی ہمدردی کی ایک عالمی لہر کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ اس مہم کیلیے جدوجہد کرتے کارکنوں کا یہی پیغام ہے کہ تمباکو نوشی کے خاتمے کی یہ صدا اس روز سے پہلے سُن لی جائے، جب گھر گھر سے دمہ کے مرض میں مبتلا سگریٹ نوشوں کے کھانسنے کی آواز آنے لگے۔

ٹیکس کسی بھی حکومت کے لئے آمدنی کا ایک اہم ذریعہ ہے اور تمباکو جیسی غیر ضروری اشیاء پر ٹیکس لگانے سے نہ صرف بجٹ خسارے میں کمی ہوتی ہے بلکہ بیماریوں پر اخراجات میں بھی کمی آتی ہے۔

پناہ سے تعلق رکھنے والے ثناء اللہ گھمن طویل عرصے سے معاشرے میں تمباکو نوشی کی حوصلہ شکنی کی وکالت کرتے رہے ہیں کیونکہ یہ بیماریوں کا سبب بنتا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ حکومت کو عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کی سفارشات کے مطابق باقاعدگی سے سگریٹ پر ٹیکس لگانا ہوگا۔

مہم برائے تمباکو فری بچوں (سی ٹی ایف کے) کے کنٹری ہیڈ ملک عمران نے کہا ہے کہ فروری 2023 میں سگریٹ پر فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی (ایف ای ڈی) میں اضافے کے حکومتی فیصلے کی وجہ سے مالی سال 2022-23 میں اضافی 11.3 ارب ایف ای ڈی ریونیو حاصل ہوا جو گزشتہ سال کے مقابلے میں 9.7 فیصد زیادہ ہے۔ مزید برآں مالی سال 2022-23 میں اضافی 4.4 ارب وی اے ٹی ریونیو حاصل کیا گیا جو گزشتہ سال کے مقابلے میں 11.5 فیصد زیادہ ہے، یہ اضافی 15.7 بلین ریونیو جی ڈی پی کا 0.201 فیصد بنتا ہے جو پاکستان جیسی جدوجہد کرنے والی معیشت کے لئے ایک اہم فروغ ہے۔

کنٹری ہیڈ سی ٹی ایف کے کے مطابق یہ خود ساختہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ٹیکسوں میں اضافہ معیشت کے لئے فائدہ مند ہے لیکن تمباکو کی صنعت غیر قانونی تجارت کا بہانہ بنا کر سب کو گمراہ کرتی ہے، غیر قانونی تجارت کے اعداد و شمار کو لوگوں کو کم رپورٹنگ سے ہٹانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، یہ کمپنیاں اپنی پیداوار کو کم رپورٹ کرتی ہیں اور پھر اپنی غیر رپورٹ شدہ مصنوعات کو غیر قانونی مارکیٹ میں فروخت کرتی ہیں جس سے قومی خزانے کو اربوں کا نقصان ہوتا ہے۔

ریٹائرڈ سرکاری ملازم ڈاکٹر ضیاء الدین اسلام نے کہا ہے کہ تمباکو پاکستان میں سب سے بڑا خاموش قاتل ہے کیونکہ ہر سال ایک لاکھ 70 ہزار سے زائد افراد تمباکو کے استعمال کی وجہ سے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں، اس وبائی مرض کی وجہ سے سالانہ 615 ارب روپے کا معاشی بوجھ پڑتا ہے جو پاکستان کی جی ڈی پی کا 1.6 فیصد ہے۔

انہوں نے وضاحت کی کہ قیمتوں میں اضافہ پیداوار اور کھپت میں کمی لاتا ہے جس سے صحت کی لاگت کا بوجھ کم ہوتا ہے۔ تخمینے کے مطابق مالی سال 2022-23 میں سگریٹ کی اعلانیہ پیداوار میں گزشتہ سال کے مقابلے میں 31.7 فیصد کمی آئی ہے۔

اس مثال سے سبق سیکھتے ہوئے، جسے عالمی ادارہ صحت نے بھی تجویز کیا ہے، پاکستان کو باقاعدگی سے ٹیکسوں میں اضافہ کرنا چاہیے تاکہ افراط زر اور فی کس آمدنی کا حساب لگایا جاسکے اور پاکستانی تمباکو کی مصنوعات کے نقصانات سے محفوظ رہیں۔

پروگرام منیجر ایس پی اے آر سی خلیل احمد ڈوگر نے کہا کہ تمباکو کی صنعت کی جانب سے پاکستان کے بچوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے تاکہ ''متبادل تمباکو نوشوں'' کو بھرتی کیا جاسکے، پاکستان میں 6 سے 15 سال کی عمر کے تقریباً 1200 بچے روزانہ تمباکو نوشی شروع کردیتے ہیں۔ اوسطاً پاکستانی تمباکو نوشی کرنے والے اپنی ماہانہ آمدنی کا 10 فیصد سگریٹ پر خرچ کرتے ہیں۔

لہٰذا بڑھتی ہوئی قیمتیں ان قاتل مصنوعات کو بچوں اور کم آمدنی والے گروہوں کی خرچ کرنے کی طاقت سے دور رکھنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ٹیکس ہے۔

نازک موڑ اور سیاہ ابواب

محمد مشتاق ایم اے

ہمارے ملک کی تاریخ ہمیشہ سے نازک موڑ اور سیاہ ابواب سے بھری رہی ہے

''ملک اس وقت انتہائی نازک موڑ سے گزر رہا ہے''۔ میرے خیال میں یہ وہ واحد فقرہ ہے جو ہم پاکستانی اس وقت سے سن رہے ہیں جب سے ہوش سنبھالا ہے۔

اخبار اٹھا کر پڑھ لیجیے یا ٹی وی آن کر کے خبریں دیکھ لیجیے، کہیں نے کہیں اس فقرے سے واسطہ ضرور پڑتا ہے اور یہ فقرہ ہر حکومت کے دل کی آواز ہوتا ہے کہ جب بھی عوام اپنے حقوق کی بات کرتے ہیں، مہنگائی کا تذکرہ ہوتا ہے، اپوزیشن سے مذاکرات کی بات چلتی ہے، معیشت کی بہتری کیلیے مطالبہ کیا جاتا ہے تو ہر حکومت کا ان سب سوالوں کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ ابھی کچھ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ملک اس وقت تاریخ کے نازک موڑ سے گزر رہا ہے۔

ہم نے بھی اپنی زندگی میں نشیب و فراز کے بڑے بڑے موڑ دیکھے مگر ملکی تاریخ میں ہمارا پالا جتنا اس نازک موڑ سے پڑا، اتنا زیادہ کسی اور شے سے نہیں پڑا اور پھر اس نازک موڑ کی آڑ میں ہمارے ملک کی تاریخ میں سیاہ ابواب کا بھی آئے روز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے کہ ہم ابھی ہمارے اذہان میں پچھلے سیاہ باب کی بازگشت ختم نہیں ہوتی کہ کسی نئے سیاہ باب کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ابھی ہمارے ملک کی گاڑی ایک نازک موڑ کاٹتی ہے تو دوسرا پھر سامنے کھڑا ہماری لیاقت و قابلیت کا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔

الغرض اپنی زندگی ہے کہ آخرت کی طرف اپنا سفر رواں کیے ہوئے ہے اور ہر آنے والا دن ہماری زندگی سے کم ہوتا جا رہا ہے لیکن ابھی تک ہماری یہ حسرت ہی رہی کہ کبھی تو ان کانوں کو نازک موڑ ختم ہونے کی آواز سنائی دے اور ان آنکھوں کو سیاہ باب کے بجائے کچھ ہرا ابھرا دکھائی دے۔

9 مئی 2023 کے واقعات نے ملک کے سیاہ ابواب میں ایک اور باب کا اضافہ کر دیا ہے اور اب ہم ہر سال 9 مئی کو یوم سیاہ منایا کریں گے اور ہر سال اپنے دل اور روح پر لگنے والے وہ زخم تازہ کیا کریں گے جو کسی غیر نے نہیں بلکہ اپنوں کے ہاتھوں ہمارے نصیب میں آئے۔ ہمیں یہ سیاہ باب دینے والوں میں کچھ مفاد پرست شامل ہیں تو کچھ تخریب کار۔ کسی کو اقتدار کا لالچ، تو کسی کو اپنے قائد سے اندھی محبت لے ڈوبی۔ الغرض ہر کسی کے پاس اپنے کیے کا کوئی نہ کوئی جواز تو موجود ہے لیکن کسی کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ ان کے سارے اعمال کی بدولت ملک کا جو عام آدمی متاثر ہوا، اس کا نقصان ہوا، نجی، سرکاری اور عسکری تنصیبات اور یادگار شہداء ؒ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کا ذمے دار کون ہے؟

جب ہر کوئی دودھ میں دھلا ہے تو پھر یہ نفرتوں اور وحشتوں کا کھیل کس نے کھیلا ہے؟ جب ہر کوئی معصوم اور ملک کا خیر خواہ ہے تو جن لوگوں کی جانیں گئیں وہ اپنا خون کس کے ہاتھ میں تلاش کریں؟

اگر سب جماعتوں کے کارکن پرامن اور اپنے قائدین کے حکم کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرنے والے ہیں تو پھر جنہوں نے آگ اور خون کی یہ ہولی کھیلی، وہ کون ہیں؟ ان کی پہچان کیسے ہوگی؟ کون کرے گا؟ اور ان کو ایسی مثالی سزا کون دے گا کہ آئندہ اس قسم کا سیاہ باب ہماری تاریخ میں کبھی دہرایا نہ جاسکے؟

ہر برسر اقتدار آنے والی حکومت کا بنیادی طور پر ایک ہی منشور ہوتا ہے کہ وہ ملک کو اس نازک موڑ سے نکالے گی، جس کی ذمے دار گزشتہ حکومت ہے، جس نے ملک کی معیشت کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا اور جس کی ناقص اور عوام دشمن پالیسیوں کی بدولت عام آدمی تنگ آمد بجنگ آمد کی صورت حال سے دوچار ہو چکا ہے۔ لیکن ہماری زندگیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ آنے والی ہر حکومت نہ تو اس نازک موڑ کو ختم کر سکی اور نہ وہ عوام کی زندگیوں میں سکھ کا ایک سانس ہی لانے میں کامیاب ہوسکیں۔ باقی رہ گئی اپوزیشن، تو وہ ہمیشہ حکومت وقت کی ہر بات (چاہے وہ اچھی ہی کیوں نہ ہو) کی مخالفت پر ڈٹی رہی اور ہر وہ حربہ استعمال کرتی رہی کہ حکومت گرے اور اس کی جھولی میں آ گرے۔ الغرض ہر حکومت اور اپوزیشن اپنا سارا وقت اقتدار اور مفادات کی رسہ کشی میں ہی گزارتی رہیں اور نہ تو نازک موڑ ختم ہوا اور نہ ہی سیاہ ابواب میں اضافہ تھمنے میں آیا۔

کبھی سقوط ڈھاکا کا سیاہ باب، کبھی آرمی پبلک اسکول پر حملے کا سیاہ باب، کبھی زیارت ریزیڈنسی پر دہشت گردوں کے حملے کا سیاہ باب، کبھی کراچی میں چیف جسٹس کی آمد پر خون کی ہولی کا سیاہ باب، اور اب پھر سرکاری و عسکری تنصیبات پر حملے اور شہداء ؒ کی یادگاروں کی بے حرمتی کا سیاہ باب۔ ان کے علاوہ قیام پاکستان سے لے کر آج تک بے شمار چھوٹے بڑے سیاہ ابواب سے ہماری تاریخ ہی سیاہ ہوتی جا رہی ہے لیکن ہم ہیں کہ چند دن سوگ منا کر اور اپنوں کی بے حسی کا ماتم کر کے پھر نئے کپڑے پہن کر کسی اور نازک موڑ اور سیاہ باب کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم اس نازک موڑ کو ختم کرنے اور سیاہ ابواب کا خاتمہ کرنے کیلیے درکار اہلیت کو بروئے کار لانے کے بجائے رونی صورت بنا کر یہ گنگنانے لگتے ہیں کہ ''جانے کب ہوں گے کم، اس دنیا کے غم''۔

آیئے! اس حوالے سے ٹھوس اقدامات کیجیے۔ ملک کو نازک موڑ پر لانے اور سیادہ ابواب کے ذمے داروں کو مثال عبرت بنایئے، تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرآت تو درکنار، ایسی سوچ بھی ذہن میں نہ آئے۔ ملک کا عام شہری جو محبِ وطن بھی ہے، وہ ان نازک موڑوں اور سیاہ ابواب کی چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ گیا ہے اور ان دونوں میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن سب سے زیادہ متاثر وہی ہوتا ہے اور سچے دل سے پاکستان زندہ باد کا نعرہ بھی لگاتا ہے۔

بجلی کی مارکیٹ میں اجارہ داری کا خاتمہ

یہ عمل بتدریج عوام کو سہولیات کی فراہمی میں اہم ثابت ہوگا۔

راجہ کامران

اس سال 9 مئی کو جہاں ملک بھر میں سیاسی ہنگامہ آرائی نے نیوز چینلز کی اسکرینوں کو یرغمال بنائے رکھا، وہیں نیپرا نے بجلی کی فروخت کے حوالے سے ایک اہم ترین معاملے کو اپنی ویب سائٹ پر خاموشی سے اپ لوڈ کردیا۔ نیپرا نے 9 مئی کو ملک بھر میں بجلی کی فروخت کرنے والی تمام ڈسٹری بیوشن کمپنیوں، جن کو ڈیسکوز کہا جاتا ہے، کو نئے لائسنس جاری کرتے ہوئے مخصوص علاقے پر اجارہ داری کا حق ختم کرتے ہوئے نان ایکسکلوسو لائسنس کا اجرا کردیا ہے۔

نیپرا کے موجودہ چیئرمین توصیف ایچ فاروقی نے بجلی کی پیداوار ترسیل اور فروخت کے حوالے سے اہم انقلابی اقدامات پر عمل شروع کیا ہے، جس کا مقصد بجلی پیداوار سے لے کر اس کی فروخت کے عمل سے بتدریج حکومتی عملداری کو ختم کردیا جائے۔ اور بجلی کی خرید وفروخت اور پیداوار کے حوالے سے ایک مارکیٹ بنائی جائے۔ اس مارکیٹ کو TradingCompetitive MarketContracts Bilateral (CTBCM) کہا گیا ہے۔

یہ سی ٹی بی سی ایم کیا ہے؟ اس کو حرف عام میں یہ سمجھیں ابھی تک بجلی کی خریداری کیلیے حکومت واحد خریدار ہوا کرتی تھی۔ مگر نئے نظام میں بجلی کے پیداواری یونٹس لگانے، ٹرانسمیشن نظام بچھانے اور بجلی کی فروخت کے اب حکومتی ضمانت کے بجائے ایک آزاد مارکیٹ یا بجلی کے اسٹاک ایکس چینج میں ہوا کرے گی۔

نئے نظام کے تحت این ٹی ڈی سی میں قائم PurchasingPowerCentral Agency(G-CPPA) جو کہ ملک بھر کے بجلی گھروں سے بجلی کی خریداری کرتے ہوئے اس کو این ٹی ڈی سی کے ذریعے تمام ڈیسکوز کو فراہم کرتی ہے، کو بتدریج ایک بجلی کے اسٹاک ایکس چینج میں تبدیل کردیا جائے گا۔ جہاں پر ڈیسکوز یا سرمایہ کار بجلی کی خریداری اور بجلی کی پیداواری گنجائش کی خرید وفروخت کرسکیں گے۔

پہلے مرحلے میں سی پی پی اے جی کو تمام پاور پلانٹس کے معاہدے منتقل کردیے گئے ہیں، جو کہ اس وقت ٹیک اور پے (یعنی بجلی لو یا ادائیگی کرو) کی بنیاد پر لگے ہیں۔ ان کے معاہدوں کی مدت ختم ہونے کے بعد سی پی پی اے جی میں ان پاور پلانٹس کی بجلی لازمی خریدے جانے کے بجائے بجلی کی نیلامی ہوا کرے گی۔

یعنی اسی طرح اب ڈیسکوز یعنی بجلی کی ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کو بھی بجلی ان کے طلب کے مطابق خریدنا ہوگی۔ سی ٹی بی سی ایم کے قیام کیلیے اہم شرائط میں سب سے اہم شرط یہ تھی کہ بجلی کے پیداواری نظام کو تبدیل کرنے سے قبل بجلی کی خریداری کے نظام کو آزاد اور مارکیٹ بیس بنانا ضروری ہوگا۔ اور اسی لیے نیپرا نے سال 2021 میں ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کے 20 سال لائسنس کی مدت ختم ہونے، نئے لائسنس کی منظوری سابقہ اجارہ داری یا مناپلی کے طریقہ کار کے بجائے کھلی مسابقتی مارکیٹ کے مطابق دی جائے۔

نیپرا نے اس حوالے سے ایک اجلاس سال 2020 میں کیا تھا، جس میں ڈیسکوز کو آگاہ کیا گیا کہ ان کے ختم ہونے والے ڈسٹری بیوشن لائسنس کو اب اجارہ داری کے بجائے کھلی مارکیٹ کے طریقہ کار کے تحت جاری کیا جائے گا۔ اور مئی 2022 کو ڈیسکوز کو عبوری لائسنس جاری کیا تھا، جس میں EXCLUSIVITY کو ختم کردیا گیا تھا۔ جس پر ڈیسکوز کے نمائندوں نے مخالفت کرتے ہوئے عدالت سے حکم امتناع لینے کا عندیہ دیا تھا۔ مگر دو سال سے زائد عرصہ کی بات چیت کے بعد بالآخر نیپرا نے ڈیسکوز کو مسابقتی لائسنس جاری کردیا ہے۔ فیصل آباد، گوجرانوالا، حیدرآباد، اسلام آباد، لاہور، ملتان، پشاور اور کوئٹہ کی جانب سے نیپرا کو خصوصی اجارہ داری کے ساتھ لائسنس کی تجدید کی درخواست دی گئی تھی۔ جس پر نیپرا نے ان تمام ڈیسکوز کے ڈسٹری بیوشن لائسنسز کو خصوصی حیثیت ختم کرتے ہوئے مسابقتی لائسنس 9 مئی کو جاری کردیا ہے۔ جبکہ سال 2013 میں ٹرائبل ایریا ڈسٹری بیوشن کمپنی اور سال 2011 میں سکھر ڈسٹری بیوشن کمپنی کو خصوصی اجارہ داری کا لائسنس 20 سال کیلیے جاری ہوا تھا۔ ان دونوں ڈسٹری بیوشن کمپنیوں کے لائسنس کی مدت ختم ہونے پر انہیں غیر مسابقتی لائسنس جاری کردیے جائیں گے۔

اب نیپرا کے زیر غور کے الیکٹرک کے لائسنس کا معاملہ رہ گیا ہے، جس کی مدت جون 2023 میں ختم ہورہی ہے۔ اس لیے کے الیکٹرک نے پہلے ہی اپنا غیر خصوصی یعنی مسابقتی لائسنس کیلیے نیپرا میں درخواست دے دی ہے۔ جس پر نیپرا نے اعتراضات طلب کرلیے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی نیپرا اس درخواست کی عوامی سماعت مقرر کرے گا۔ اس حوالے سے کے الیکٹرک کا کہنا ہے کہ پاور سیکٹر میں مسابقتی بنیاد پر مقابلے کیلیے کے الیکٹرک نے سی ٹی بی سی ایم میں شمولیت کا تفصیلی پلان بھی جمع کروادیا ہے۔ سی ٹی بی سی ایم قوانین کے تحت اہل صارفین مسابقتی اداروں سے بذریعہ کے الیکٹرک نیٹ ورک بجلی حاصل کرسکیں گے۔ عام صارفین کے حقوق کے تحفظ اور مسابقتی نظام کی طرف منتقلی کیلیے عام لائسنس اور سی ٹی بی سی ایم پلان ضروری ہے۔ ڈسٹری بیوشن لائسنس کے ساتھ کے الیکٹرک نے جنریشن، ٹرانسمیشن اور ڈسٹری بیوشن کی انفرادی ٹیرف بھی جمع کروائی ہیں اور آئندہ سات سال میں کے الیکٹرک نے کراچی اور منسلک انفرااسٹرکچر پر 484 ارب روپے سرمایے کا منصوبہ بھی پیش کیا ہے۔ کے الیکٹرک کراچی اور ملحقہ علاقوں میں بجلی کی فراہمی کیلیے متبادل ذرائع سے 2200 میگاواٹ بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرے گی۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ کیا نیپرا کی جانب سے تمام ڈیسکوز اور کے الیکٹرک کے اجارہ داری ختم کرنے کے لائسنس سے عوام کو براہ راست فوری فائدہ ہوگا؟

اس کا جواب فی الوقت نفی میں ہے کیونکہ نیپرا کے قوانین کے مطابق پہلے مرحلے میں سی ٹی بی سی ایم کے تحت صرف ایک میگاواٹ سے زائد بجلی استعمال کرنے والے ہی ملک بھر سے کسی بھی بجلی پیدا کرنے والے سے خریداری کرسکتے ہیں، جس کی تعداد ملک میں مجموعی صارفین کا صرف 16 فیصد ہے۔ مگر یہ عمل بتدریج عوام کو سہولیات کی فراہمی میں اہم ثابت ہوگا۔ کیونکہ اب مارکیٹ نئے سرمایہ کاروں کیلیے کھل گئی ہے۔ اور نئے سرمایہ کار آکر بہتر خدمات اور کم قیمت پر بجلی کی فراہمی کیلیے سرمایہ کاری کرسکتے ہیں۔

خون دیجیے، زندگی بچائیے

ہمارے ملک میں خون کے عطیے کی آگاہی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں

محمد بلال ولی

ہمارے ملک میں خون کے عطیے کی آگاہی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

دفتر میں مصروف دن گزارتے ہوئے واٹس ایپ پر دوست کا پیغام موصول ہوا کہ پھول مرجھا گیا ہے۔ یک دم دل بیٹھ سا گیا کہ کہیں نجف اسی پھول کا ذکر تو نہیں کر رہا جس کو پچھلے ماہ خون لگوانے کیلیے وہ بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ یہ پھول تھلسیمیا کا مریض تھا اور اسے ہر ماہ باقاعدگی سے خون لگوانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ وہ پھول اب اس دنیا سے جا چکا لیکن اپنے پیچھے بہت سی کہانیاں اور سبق ہم لوگوں کیلیے چھوڑ گیا۔

تھیلیسمیا کے مریض بچے اس دنیا میں ایک ایسی بیماری کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں جس کا علاج انتہائی مہنگا ہوتا ہے، بلکہ یوں کہیں کہ علاج فی الحال نہ ہونے کے برابر ہے اور ان بچوں کو ہر مہینے باقاعدگی سے دوسروں کے خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس خون کا بندوبست کرنا بھی ماں باپ کیلیے انتہائی کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں کیونکہ خون کے عطیے کی آگاہی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں اس لیے کسی بھی ایسی صورت حال، جس میں مریض کو خون کی ضرورت ہو، بہت مشکل پیش آتی ہے۔ اور کئی بار تو یوں ہوتا ہے کہ مریض خون کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کو پیارا ہوجاتا ہے۔ ہمارے ملک کے اکثر لوگ خون عطیہ کرنے کو پہاڑ اٹھانے جیسی مشقت سمجھتے ہیں۔ دوسرا اس معاملے میں بہت سی غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں، جن میں سے چند مشہور یہ ہیں کہ خون دینے سے انسان کا جسم موٹا ہوجاتا ہے یا پھر انسان کمزور ہوجاتا ہے، بیماریاں جکڑ لیتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ تحقیق کی رو سے ایسی کسی بات کے کوئی ثبوت نہیں ملے۔ بلکہ خون عطیہ کرنے سے جہاں آپ کسی دوسرے شخص کا بھلا کر رہے ہوتے ہیں وہاں آپ کا اپنا بھی بھلا ہو رہا ہوتا ہے۔

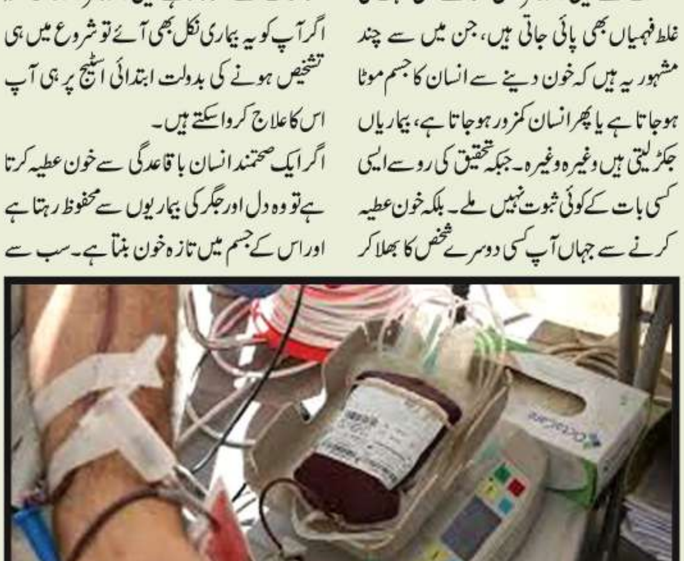

میڈیکل کی رو سے ایک صحتمند انسان سال میں دو سے تین مرتبہ خون عطیہ کرسکتا ہے۔ باقاعدگی سے خون عطیہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کے 4 سے 5 ایسی بیماریوں کے ٹیسٹ بالکل فری میں ہوجاتے ہیں جو کہ انسان کیلیے جان لیوا ثابت ہوتی ہیں۔ یعنی آپ اپنی صحت کے معاملات سے آگاہ رہتے ہیں۔ دوسرا، خدانخواستہ اگر آپ کو یہ بیماری نکل بھی آئے تو شروع میں ہی تشخیص ہونے کی بدولت ابتدائی اسٹیج پر ہی آپ اس کا علاج کروا سکتے ہیں۔

اگر ایک صحتمند انسان باقاعدگی سے خون عطیہ کرتا ہے تو وہ دل اور جگر کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے جسم میں تازہ خون بنتا ہے۔ سب سے بڑا فائدہ، جس کا اجر انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں ہوتا ہے وہ یہ کہ آپ کسی کی جان بچانے میں اپنا کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں اور ہمارا دین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی۔

اگر آپ خون کسی تھیلیسیمیا کے مریض کو عطیہ کرتے ہیں تو آپ کے ایک بار خون دینے سے سرکاری اسپتال والے اس کو اگلی دو بار بغیر ڈونر ساتھ لائے مفت میں خون لگا دیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی ایک بار کی بھلائی اس مریض کی زندگی میں تین بار آسانیاں پیدا کرتی ہے۔

آپ کبھی کسی تھیلیسمیا کے مریض بچے یا بچی کے والدین سے مل کر دیکھیے، ان کی داستان سنیے، میں یقین سے کہتا ہوں آپ کئی راتیں سو نہیں سکیں گے۔ جب خون کا بندوبست نہ ہو رہا ہو تو ان والدین کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی، آنکھوں میں آنسوں لیے کبھی کسی کے پاس جاتے ہیں تو کبھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ ہمارے بچے کیلیے خون کا بندوبست کردیں۔

اگر اللہ پاک نے ہمیں صحت دی ہے تو یہ ہم پر فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی مدد کریں اور صرف ایک بار مدد نہ کریں اور لوگوں کو بھی اس جانب راغب کیجیے کہ وہ اس طرح کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ کوئی پھول خون نہ ملنے کی وجہ سے دنیا سے چلا نہ جائے۔ میں پڑھنے والوں سے بھی گزارش کروں گا کہ آپ کا تعلق جس بھی کمیونٹی سے ہو، جس بھی علاقے سے ہو، آپ کس بھی محکمے سے منسلک ہوں یا کاروباری ہوں، اپنی اپنی کمیونٹی میں بلڈ ڈونیشن جیسی آگاہی کو پھیلائیے۔

احتجاج کے نام پر اپنا مستقبل خراب نہ کیجیے

مدثر مہدی

بہت سے لوگوں نے اپنے لیڈر کی محبت میں یہ غلط قدم اٹھایا۔

9 مئی کو عمران خان کی گرفتاری کے بعد ان کے سپورٹرز شدید غصے میں آ گئے اور پاکستان بھر میں جلاؤ گھیراؤ کر کے اربوں روپے کا نقصان کر ڈالا۔ نقصان تو ایک طرف، اس احتجاج نے ریاست کو بھی کمزور کیا۔ یہ احتجاج اچانک نہیں تھا بلکہ مہینوں کی برین واشنگ کا نتیجہ تھا، جس کے خطرناک نتائج برآمد ہوئے۔ اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملک دشمن عناصر نے اس احتجاج پر خوشی کے شادیانے بجائے۔

سیاسی کارکن ہونے میں کوئی قباحت نہیں لیکن انتہاپسند ہونے میں شدید کراہت ہے۔ احتجاج کرنے میں کوئی قباحت نہیں لیکن پبلک پراپرٹی کو نقصان پہنچانے میں شدید کراہت ہے۔ سیاسی احتجاج ہوتا ہے مہذب طریقے سے، لیکن جلاؤ گھیراؤ، گھروں میں گھسنا، ریاستی اداروں میں گھسنا، سپر اسٹورز کو لوٹنا اور پھر جلانا، پبلک بسز جلانا، میٹرو اسٹیشن جلانا، وطن کیلیے شہید ہونے والوں کی یادگاریں جلانا، کسی طور قابل قبول نہیں، چاہے لیڈر کی گرفتاری ہو یا پھر سزا۔

آپ اپنے سیاسی لیڈر سے محبت ضرور کیجیے، اپنا وقت دینا چاہیں، ضرور دیجیے۔ لیکن اگر سیاسی لیڈر آپ کو انتہاپسند بنا رہا ہے تو وہ لیڈر ہرگز نہیں۔ وہ آپ کو اپنی شیلڈ بنا رہا ہوتا ہے تاکہ مستقبل میں آپ کا خون کسی سیاسی معاملے کو فائدہ مند بنانے کیلیے استعمال کیا جائے۔ سیاسی لیڈروں کی اکثریت صرف اپنے مفادات کو دیکھتی ہے اور اصل لیڈر ہمیشہ فرنٹ سے لیڈ کرتا ہے اور کارکنوں کو پیچھے رکھتا ہے۔ کارکنان کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے اور ان کو دہشت گردی پر نہیں اُکساتا۔

9 مئی پاکستان کی تاریخ کے سیاہ دنوں میں سے ایک سیاہ دن تھا۔ اس دن احتجاج کے نام پر جو

دہشت گردی ہوئی اس کا نقصان صرف اور صرف پاکستان کو ہوا۔ اس دن دہشت گردی کرنے والے ہزاروں لوگوں پر دہشت گردی کے مقدمات بنے، کئی ہزار لوگ گرفتار ہوئے جن میں خواتین بھی شامل ہیں۔

جب دہشت گردی کرنے والے لوگوں کی تفصیلات دیکھیں تو حیرت کے ساتھ افسوس بھی ہوا۔ کیونکہ ان میں کچھ لوگ بہت پڑھے لکھے تھے، کچھ طالب علم تھے، کچھ کاروباری حضرات تھے، کچھ گورنمنٹ ملازم تھے لیکن اب ان سب کی شناخت دہشت گردوں اور انتہاپسندوں کے طور پر ہوگئی ہے، جو پوری زندگی ان کے ساتھ جڑی رہے گی۔

بہت سے لوگوں نے اپنے لیڈر کی محبت میں جو یہ قدم اٹھایا ہے ان لوگوں کو شاید اندازہ نہیں کہ ان قدموں نے انھیں مشکل ترین زندگیوں میں ڈال دیا ہے۔ اٹھنے والے ان قدموں نے ان کی زندگی کو کچل دیا ہے اور اب ان کی زندگیاں مستقل طور پر تبدیل ہوجانی ہیں۔ نہ صرف ان کی زندگیاں بلکہ ان کی فیملیز نہ جانے کتنے سال تک روتی رہیں گی۔ ان کے کاروبار، ان کا لائف اسٹائل سب تباہ ہوجائے گا۔

9 مئی کو کراچی میں رینجرز کی چوکی جلانے والے ایک ادھیڑ عمر شخص کی ویڈیو دیکھی، جو اس نے چوکی جلانے کے بعد اپنے بیٹے سے بنوائی، اور اب وہ دونوں باپ بیٹے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔ دونوں نے فرط جذبات میں یہ کام کردیا اور وہ اب گرفتار ہیں لیکن ان کی پارٹی نے ان کو اپنانے سے انکار کردیا ہے اور یہ بھی کہہ دیا کہ ان کا ہم سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔ اب کیا ہوگا؟ مسلسل خواری، جیل، عدالت، تھانہ، کچہری، وکیل، خرچہ اور سزا۔ یہ دو لوگوں کی کہانی نہیں، ہزاروں لوگوں کی کہانی ہے جن کے اگلے کئی سال اذیت بھرے ہوں گے۔

خونیں احتجاج ہوگیا، لیڈر اے سی والے کمرے میں سکون سے براجمان ہے۔ ان کانوں نے یہ بھی سنا کہ لیڈر کہتا ہے کہ ہمارا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں اور احتجاج کرنے والے ہمارے کارکن نہیں۔ لیڈر کی یہ مجبوری ہے کیونکہ وہ کھلے عام یہ قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ آپ عوام کے ذریعے لیڈر کچھ خاص جگہ پیغام پہنچاتا ہے۔ بہرحال ان واقعات نے ملکی سیاست کو زخمی کیا ہے جس کے اثرات طویل عرصے ریاست کی روح پر رہیں گے۔

سیاسی کارکنوں کو یہ بات اب سمجھ لینی چاہیے کہ ریاست کے خلاف جو بھی کھڑا ہو آپ اس کے خلاف کھڑے ہوں۔ ریاست کو ہر حال میں مقدم رکھنا ہوتا ہے، کیونکہ ریاست ہوگی تو سیاست ہوگی اور سیاست ہوگی تو لیڈر رہوگا۔

عام آدمی کا پاکستان

سیمی بتول

ایک عام آدمی کا آخر کیا قصور ہے؟

پاکستان کا عام آدمی، جو شدید مہنگائی اور غربت کا شکار ہے، ایسے دیس کا باسی ہے جہاں معیاری تعلیم اور علاج معالجہ پیسوں کا محتاج ہے۔ جہاں پبلک ٹرانسپورٹ کا فقدان اور روز بروز پٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمت ہے، جو اس عام آدمی کی آدھی تنخواہ نگل جاتی ہے۔

جس طرح پبلک ٹرانسپورٹ اور چنگچی رکشا میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اس سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ عام آدمی، شاید انسانوں کی فہرست میں بھی نہیں آتا۔ سیٹوں کے نیچے ناقص ایل پی جی سلینڈز اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس غریب عام آدمی کی زندگی کسی کیلیے بھی اہم نہیں۔ اس کے جینے یا مرنے سے صرف اس کے گھر میں فاقے ہوں گے، اور نیوز چینلز پر چند سیکنڈز کیلیے ایک ٹکر بن کر رہ جائے گا۔

بجلی کے نرخ، آگ برساتے موسم میں بھی بنیادی سہولتوں کے استعمال کی اجازت نہیں دیتے، اور اس سونے پہ سہاگہ، بجلی کی شدید قلت، جس کا حل جنریٹر اور اس میں ڈلنے والا پٹرول ہے، جس کی قیمت آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ پٹرول کا دوسرا متبادل گیس ہے، جو صرف معاشرتی علوم کی درسی کتابوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ گیس جانے کا وقت ہے، لیکن آنے کا نہیں، جس کی وجہ سے عوام سلینڈر خریدنے پر مجبور ہیں۔ اور جو یہ بھی نہیں کر سکتے، وہ اندھیروں اور بھوک کو اپنی قسمت مان بیٹھے ہیں۔

پہلے ہم صرف نعرہ لگاتے ہیں تھے کہ روٹی، کپڑا اور مکان لیکن اب انٹرنیٹ بھی ہماری زندگی کا اہم حصہ بن گیا ہے۔ مگر اس نئی قسم کی لوڈشیڈنگ نے بھی اذیتوں کا نیا باب کھول دیا۔ پاکستان کا ایک بڑا طبقہ آن لائن کام کرتا ہے، انٹرنیٹ کی بندش کے ان تین دنوں میں انہوں نے نجانے کتنا نقصان اٹھالیا

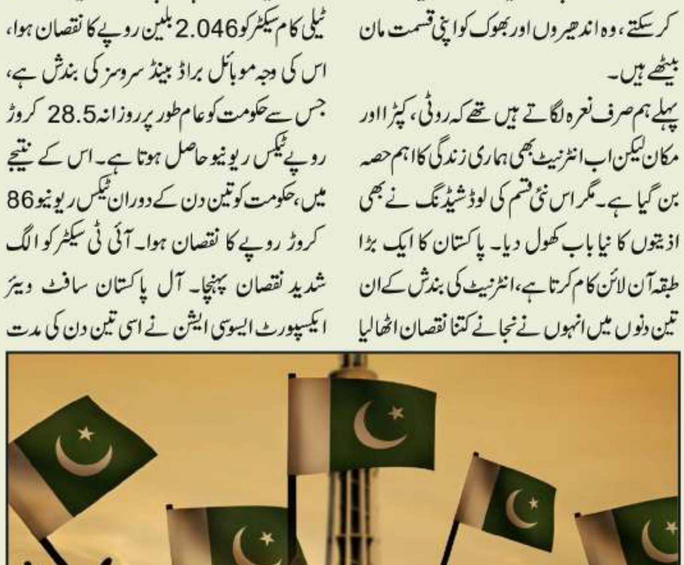

ہوگا۔

انٹرنیٹ کی حالیہ بندش نے پاکستانی عوام کو ایک نئے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ تین دن سیاسی آنکھ مچولی نے اذیتوں کا نیا باب رقم کیا، جو شاید اپنے طرز کی ایک مثال ہے۔ رپورٹس بتاتی ہیں کہ صرف ٹیلی کام سیکٹر کو 2.046 بلین روپے کا نقصان ہوا، اس کی وجہ موبائل براڈ بینڈ سروسز کی بندش ہے، جس سے حکومت کو عام طور پر روزانہ 28.5 کروڑ روپے ٹیکس ریونیو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں، حکومت کو تین دن کے دوران ٹیکس ریونیو 86 کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ آئی ٹی سیکٹر کو الگ شدید نقصان پہنچا۔ آل پاکستان سافٹ ویئر ایکسپورٹ ایسوسی ایشن نے اسی تین دن کی مدت میں 10 ارب روپے کے نقصانات کی اطلاع دی، جو 12 ملین ڈالر کے یومیہ کاروبار کے برابر ہے۔ 10، 11 اور 12 مئی کو ہونے والے امتحانات منسوخ کر دیے گئے تھے، جن کا ذمے دار شاید وہی عام آدمی ہوگا، جو خونِ دل پلا کر، دو دو نوکریاں کر کے اپنے بچوں کو اسکولوں تک لے کر جاتا ہے، اور آخری لمحات میں اسے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ پاسنگ مارکس دے کر بچے کو پاس کر دیا گیا ہے۔ کیا دن رات کی محنت، باس کی جھڑکیاں، صرف پاسنگ مارکس کیلیے تھیں؟ اچھی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں داخلہ خواب و خیال کی صورت ہو کر رہ گیا ہے، جس کا شرمندہ تعبیر ہونا بہت مشکل نظر آرہا ہے۔

اس عام آدمی کو جب بھی امید کی کوئی ایک کرن نظر آئے گی، تب وہ شاید ایسے ہی دیوانہ وار اس کی طرف بھاگے گا، اور شاید وہ غلط بھی نہیں ہوگا۔ اس ملک کا عام آدمی، جو کئی دن سے سہما ہوا اپنے بچوں کو گھر میں لیے بیٹھا ہے، اور نیوز چینلز کی لال لال ہیڈ لائنز میں، اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل تلاش کر رہا ہے، اس کا کیا قصور ہے؟ نہ وہ کسی کا حامی ہے، نہ وہ کسی کا دشمن، اس کے پاس تو شاید اپنے مسائل سے نکل کر سوچنے کا وقت بھی نہیں، وہ بس اس زندگی کے نام پر ملنے والی سزا کے اختتام کے انتظار میں ہے اور اپنے جلتے ہوئے گھر سے اٹھنے والی لپٹوں سے اپنے بچوں کو بچا رہا ہے۔

ان سب عناصر کے باوجود بھی، آج سبز ہلالی پرچم دیکھ کر، دل میں اٹھنے والے محبت سے لبریز جذبات اس بات کا پیش خیمہ ہیں کہ شاید ایک دن ہم حقیقت میں قائد کے پاکستان میں سانس لیں گے، ایک آزاد اور خود مختار مملکت خداداد میں۔

ٹریفک پولیس کا میلہ

کراچی کے نوجوان ٹریفک پولیس کی رشوت خوری سے تنگ آ گئے ہیں۔

محمد عارف میمن

کراچی کے نوجوان ٹریفک پولیس کی رشوت خوری سے تنگ آ گئے ہیں۔

''کیابات ہے، کیوں پریشان ہو؟''

میرے سوال پر وہ چونک سا گیا اور بس اتنا کہا ''بھائی بائیک یہاں کھڑی کی تھی، اب نہیں ہے''۔ اور اتنا کہہ کر اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ پچیس تیس سال کا یہ نوجوان ہاتھ میں فائل اٹھائے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''بھائی کافی وقت سے بے روزگار ہوں، آج یہاں نوکری کی خاطر دوست کی بائیک لے کر آیا تھا، بائیک سائیڈ پر کھڑی کی اور انٹرویو دینے چلا گیا، جب باہر نکلا تو بائیک نہیں مل رہی۔ لوگ بتا رہے ہیں کہ ٹریفک پولیس والے لے گئے ہیں۔ مگر یہاں تو کوئی روڈ جام نہیں ہو رہا، نہ ہی کہیں پر لکھا ہے کہ یہاں بائیک کھڑی کرنا منع ہے، پھر بھی میری بائیک اٹھا کر لے گئے''۔ وہ تھوڑی دیر رکا، آنکھوں سے نمی صاف کی اور پھر کہا ''صبح گھر سے صرف پانچ سو روپے لے کر نکلا تھا، تین سو روپے کا پٹرول ڈلوادیا، اور اب یہاں سے بائیک لے گئے ہیں، چوکی پر تین چار سو روپے مانگیں گے اور میرے پاس صرف دو سو روپے ہیں''۔

اس مجبور نوجوان کے دل سے کتنی بددعائیں اور کتنی آہیں نکلی ہوں گی جو ٹریفک پولیس کیلیے کب باعث عذاب بنیں گی، یہ کوئی نہیں جانتا۔ مگر کراچی میں لگتا ہے جیسے قانون صرف غریب کیلیے رہ گیا ہے۔ یہاں جتنا ہوسکتا ہے غریب کو نچوڑ کر لوٹا جاتا ہے۔ موٹر سائیکل سوار پہلے ہی پٹرول کے اضافی بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں، اوپر سے بائیک لفٹنگ اور ٹریفک پولیس کے جگہ جگہ میلے کسی مصیبت سے کم نہیں۔

ٹریفک پولیس کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی جیبیں کبھی خالی نہیں ہوتیں۔ اور یہ بات اب تقریباً درست بھی معلوم ہوتی ہے۔ جگہ جگہ ٹریفک پولیس کا

میلہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انہیں ٹریفک کے مسائل سے کوئی سروکار نہیں، بلکہ انہیں ہر موٹر سائیکل سوار سے عشق ہے۔ ٹریفک میلے میں ہر موٹر سائیکل سوار اور لوڈنگ سوزوکی کو بانہیں پھیلا کر خوش آمدید کہنے کیلیے چاروں طرف سے ٹریفک اہلکار اچانک سے سامنے آجاتے ہیں۔

جس گلی میں آپ کو کوئی بندہ نظر نہیں آئے گا، وہاں یہ کونے کھانچے میں چھپ کر میلہ لگا لیتے ہیں اور جیسے ہی کوئی بھولا بھٹکا موٹر سائیکل سوار وہاں سے گزرے، یہ میلے والے لوگ انہیں چاروں طرف سے گھیر کر سب سے پہلے بائیک کی چابی نکال کر اس کا استقبال کرتے ہیں، جس کے بعد اس سے بائیک کے پیپر مانگے جانتے ہیں، بائیک کے کاغذات اگر مل جائیں تو انہیں پھر بھی مایوسی نہیں ہوتی، بلکہ مسکرا کر پھر ہیلمٹ کا سوال ہوتا ہے، اگر اتفاق سے ہیلمٹ بھی موجود ہو تو پھر تیسرا وار لائسنس کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شریف آدمی یہ تمام کاغذات کے ساتھ میلے میں شرکت کر لے تو بھی وہ اس میلے میں نوٹ نچھاور کیے بغیر نہیں جاسکتا۔

کیوں کہ ان کا آخری وار سیدھا نشانے پر لگتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بائیک کے انڈیکیٹر کیوں ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اب تو چالان ہوگا۔

ٹریفک پولیس کے یہ میلے پہلے صرف سڑکوں پر نظر آتے تھے، مگر اب یہ حال ہے کہ گلی محلوں میں بھی یہ منظر عام سی بات ہوگئی ہے۔ سٹی کورٹ کے پیچھے والی گلی میں جہاں کار پارکنگ ہے، وہاں بھی یہ میلہ لگتا ہے جہاں سے کافی کمائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد نیپئر روڈ کے دونوں اطراف چار چار اہلکار اور ایک سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا ہو کر آنے جانے والے موٹر سائیکل سواروں کیلیے ایک عذاب کی شکل اختیار کیے کھڑا ملتا ہے۔ وہاں سے بچ کر نکلنے والا لی مارکیٹ میں تو کبھی بچ نہیں سکتا۔ وہاں پر لگے میلے میں ان بائیک سواروں کا اس طرح استقبال کیا جاتا ہے کہ بندہ مجبور ہو کر جیب سے سو روپے نکال کر ہی اپنی جان بخشواتا ہے۔ اسی طرح برنس روڈ سے پہلے سگنل پر بھی یہ میلہ کافی وقت سے موٹر سائیکل سواروں کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔

آرٹس کونسل کا ٹریفک پولیس میلہ سب سے بڑا تصور کیا جاتا ہے، جہاں چوک کے چاروں طرف یہ میلہ لگتا ہے، جہاں سے کوئی بھی بچ کر نہیں نکل سکتا۔ سٹی ریلوے اسٹیشن، کینٹ ریلوے اسٹیشن، جناح اسپتال کے مین گیٹ کے سامنے، جناح اسپتال سے کالا پل جاتے ہوئے، قائداعظم میوزیم پارک کے پاس، صدر ایمپریس مارکیٹ،

رسالہ تھانہ کی حدود سول اسپتال اور ایس آئی یو ٹی کے اطراف، مین ٹاور، اولڈ حاجی کیمپ، بلدیہ ٹاؤن مواچھ موڑ، روبی موڑ پر صبح، دوپہر یا شام کے کسی وقت بھی یہ میلہ اچانک سے لگ جاتا ہے۔ جہاں ان کا مقصد صرف میلے میں موٹر سائیکل سواروں کو لوٹنا ہے۔

ٹریفک پولیس کے یہ میلے جہاں عام شہریوں کیلیے عذاب بنتے جارہے ہیں، وہیں ٹریفک کا نظام بھی درہم برہم ہوتا جارہا ہے۔ مین شاہراہوں پر بدترین ٹریفک معمول کی بات بن چکا ہے، مگر یہ ٹریفک اہلکار صرف میلہ لگانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ عام شہری گھنٹوں ٹریفک میں پھنسنے کے بعد جیسے ہی ان کے میلے سے قریب سے گزرتے ہیں، وہیں انہیں دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا جاتا ہے۔ میٹھادر اور کھارادر پولیس اسٹیشن کے باہر یہ میلہ تقریباً صبح نو بجے سے رات دس بجے تک معمول کے مطابق لگا رہتا ہے۔ ایم اے جناح روڈ اور بولٹن مارکیٹ روڈ پر بھی ٹریفک کے معاملات آج تک درست نہ ہوسکے، مگر افسوس کی بات ہے کہ یہاں بھی ٹریفک پولیس کے میلے موٹر سائیکل سواروں کی پکڑ دھکڑ میں مصروف رہتے ہیں۔

گلبائی سے آئی سی سی روڈ پر آنے والا ٹریفک بڑی گاڑیوں کے باعث کافی حد تک جام رہتا ہے، تاہم آگرہ تاج چوکی پر بھی میلہ لگا رہتا ہے، جو صرف اور صرف موٹر سائیکل سواروں کیلیے ہی

خصوصی طور پر سجایا جاتا ہے۔ اسی طرح آئی سی سی پل پر بنی ٹریفک پولیس چوکی بھی کسی سے پیچھے نہیں، یہاں بھی میلہ سجا رہتا ہے۔ ان تینوں جگہوں پر ٹریفک پولیس کے میلے میں پولیس بھی شانہ بشانہ نظر آتی ہے۔ اور ان کا مقصد بھی صرف میلے سے ہونے والی کمائی ہے۔ یہ صرف چند جگہیں بتائی گئی ہیں، تاہم یہ سلسلہ پورے کراچی میں پھیلا ہوا ہے۔

ٹریفک پولیس کا کام ٹریفک کو کنٹرول کرنا ہے، نہ کہ موٹر سائیکل سواروں کے ہیلمٹ اور ان کے لائسنس چیک کرتے رہنا۔ شہر میں جگہ جگہ بدترین ٹریفک جام روز کا معمول بنا ہوا ہے، منٹوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہورہا ہے، مگر یہاں ٹریفک پولیس ٹریفک کو رواں رکھنے کے بجائے جگہ جگہ موٹر سائیکل سواروں کو چیک کرکے انہیں بلاجواز پریشان کرنے پر لگی ہوئی ہے۔ پٹرول کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں، مہنگائی نے تمام ریکارڈ توڑ دیے ہیں، مگر ان کے حالات دن بدن اچھے سے اچھے ہوتے جارہے ہیں۔

کراچی میں ٹرانسپورٹ کا نظام پرائیوٹ اور غیر مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، یہ اپنی مرضی سے گاڑیاں چلاتے ہیں، ان کی بدتمیزیاں عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ عوام بدترین ٹریفک جام میں گھنٹوں پھنسے رہتے ہیں۔ ان سب مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے اگر ایک عام شہری اپنی سستی سواری پر دفتر اور کام پر آنے جانے کیلیے بائیک کا استعمال کرتا ہے تو اس سستی سواری کا مہینے کا خرچہ ایک لگژری کار سے کم نہیں ہوتا۔ جگہ جگہ ٹریفک اہلکار ان ہی کو اپنا نشانہ بناتے ہیں۔ جگہ جگہ بائیک لفٹنگ کا دھندہ عروج پر پہنچا ہوا ہے، جگہ جگہ غیر قانونی پارکنگ فیس الگ وصول کی جارہی ہے، اور ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی ڈی آئی جی ٹریفک پولیس نے آنکھیں بند کررکھی ہیں۔ لوگوں کو ایک گلاس شربت پلاکر یہ سمجھا جارہا ہے کہ عوام سے محبت ہے، مگر درحقیقت یہ ایک ظلم کے سوا کچھ نہیں۔

کراچی کا نوجوان اب ان حالات سے باغی ہوتا جارہا ہے۔ مہنگائی اور لوٹ کھسوٹ سے پورے مہینے کا بجٹ آؤٹ ہوتا جارہا ہے، ایسے میں نوجوان طبقہ ذہنی ڈپریشن کا شکار نہ ہوتو اور کیا ہو۔ میری سندھ حکومت، وزیرداخلہ، آئی جی سندھ اور ڈی آئی جی ٹریفک پولیس سے التجا ہے کہ وہ ان معاملات کو بھی دیکھیں اور نوجوانوں کو اگر کوئی ریلیف نہیں دے سکتے تو کم از کم انہیں اس مصیبت سے ہی نجات دلادیں۔

ایک اور ہجرت کا دکھ؟

ہم ہیں تو یہ وطن ہے اور یہ وطن ہے تو ہی ہم ہیں۔

''میں نے ہاتھوں کا پیالہ بنا کر تالاب سے پانی بھرا۔ ابھی پانی میرے ہونٹوں سے دور ہی تھا جب میری نظر اس تالاب پر پڑی۔ اندھیرے کی وجہ سے پہلے تو میں جان ہی نہ پایا کہ یہ سب کیا ہے مگر جب غور سے دیکھنا شروع کیا تو آہستہ آہستہ پانی میں تیرتی ہوئی لاشیں دکھائی دی۔ میرے ہاتھ ایک دم کھل گئے اور میرا پیالہ ٹوٹ گیا''۔

حاجی انور صاحب نے یہ کہنے کے بعد اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا اور ان کے چہرے کے تاثرات میں وہ کرب واضح دکھائی دے رہا تھا جیسے ایک بار پھر ان کا پیالہ ٹوٹ گیا ہو۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا کہ میری اولاد مجھ سے کہتی ہے کہ اللہ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے تو کیوں نہ ہم امریکا، برطانیہ یا کینیڈا میں سے کسی ایک کی شہریت لے کر وہاں چلے جائیں؟ ویسے بھی ہجرت میں برکت ہے اور یہاں کے حالات کبھی ٹھیک ہو ہی نہیں سکتے۔ بدحالی، پسماندگی، آئے دن کے بحران اور مسلسل بے یقینی ہی ہمارا مقدر ہے۔ مگر میں انہیں سمجھاتا ہوں کہ ایسا سوچو بھی مت۔ شکر کرو کہ تم ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ملک میں پیدا ہوئے ہو۔

آج یہ جو ہماری کاروباری ساکھ اور پیسے کی ریل پیل ہے، یہ سب اسی ملک کی بدولت ہے اور ہجرت تو وہ تھی جو 1947 میں کی۔ اب یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جس سرزمین نے مجھے یہ اعلیٰ مقام دیا، ایک ایسا مستحکم کاروبار دیا کہ ساری دنیا کے دروازے میرے لیے کھل جائیں اور میں اپنی شناخت سے ہی غداری کر گزروں۔ میری پیدائش بھلے ہندوستان ہی کی تھی مگر میرا جینا مرنا پاکستان ہی ہے۔ یہ جسے تم ہجرت کا نام دے رہے ہو، یہ ہجرت وہ نہیں۔ یہ تو سیدھا سیدھا دھوکا ہے جو تم خود کو اور اپنی آنے والی نسل کو دے رہے ہو۔

لاکھوں لوگ تھے جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اس سرزمین پر قدم رکھا اور ان لاکھوں لوگوں میں سے گنتی کے لوگ تھے جنہوں نے یہاں آتے ہی ایسی صنعتوں کی بنیاد رکھی جس نے ہزاروں لوگوں کو نہ صرف روزگار دیا بلکہ بین الاقوامی منڈیوں میں بھی پاکستان کو صف اول میں لا کھڑا کیا۔

حاجی صاحب جیسے بہت سے لوگ اب بھی ہمارے اردگرد ہیں جنہوں نے اپنے ماں باپ، اپنی جائیدادیں، اپنا سب کچھ قربان کر کے اپنے ٹوٹے پھوٹے وجود کو یہاں آباد کیا بلکہ اپنی شناخت بھی بنائی۔ ان کا ایمان اس نکتہ پر پختہ ہے کہ ہم ہیں تو یہ وطن ہے اور یہ وطن ہے تو ہی ہم ہیں۔ حاجی صاحب سے میری اس قدر طویل نشست نہ ہوتی مگر گزشتہ روز جب اصغر کا مجھے فون آیا کہ ابا جی بہت اداس اور پریشان ہیں اور بار بار یہی کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کے ساتھ یہ ہو کیا رہا ہے۔ یہ جلاؤ گھیراؤ، من پسند فیصلوں پر بھنگڑے، مٹھائیاں، اور اگر فیصلے اپنی مرضی کے نہ ہوں تو پھر دھرنے۔ یہ سب ہم اپنے ہی وطن کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے ایک بار پھر میں اسی تالاب کے پاس کھڑا ہوں۔

حاجی صاحب کو میں خاموشی سے سنتا رہا۔ میرے پاس کوئی ایسی مضبوط دلیل نہیں تھی، کوئی ایسی میٹھی گولی بھی نہیں تھی جس کی چاشنی سے ان کو اچھا احساس ملتا۔ ہاں البتہ چند سوچیں اور سوال ضرور تھے کہ پاکستان کے سیاسی نظام میں ہماری اشرافیہ اور اہل دانش میں ہمیشہ یہ تاثر پایا گیا ہے کہ سول اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان ایک سرد جنگ رہی ہے لیکن سیاسی فریقین نے کوئی بھی موقع اپنی بالادستی منوانے کا ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ہم اپنی آزادی سے لے کر آج تک اسی مخمصے کا شکار ہیں کہ یہاں کس کی حکمرانی ہونی چاہیے۔

سب کا حصول طاقت کو لمبے عرصے تک اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ یہ پریکٹس قیام پاکستان کے کچھ عرصے بعد ہی جڑیں پکڑنا شروع ہو گئی تھی۔ اس عمل نے تمام سنجیدہ سیاسی کارکنوں اور سیاسی اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے مختلف طبقات، جن میں میڈیا، وکلا، ریٹائرڈ حضرات یا ایسے عناصر جو سیاسی عمل میں ایک بڑا اور مثبت کردار ادا کر سکتے تھے، انہیں سیاسی جماعتوں نے فیصلہ سازی سے باہر ہی رکھا اور ان کے مقابلے میں وہ عناصر سامنے آئے جو محض اپنی دولت اور طاقت کے ساتھ ساتھ پس پردہ قوتوں کے آلہ کار بن کر سیاسی رہنماؤں کا روپ دھار چکے تھے۔

بدقسمتی یہی ہے کہ اس مافیا نے تمام سیاسی جماعتوں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور انہیں تحفظ حکومتیں اپنے اقتدار کو تقویت دینے کیلیے دیتی ہیں۔ بہت سے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے سیاست میں داخل ہوئے اور ان پر کرپشن کا کوئی دھبہ یا پس منظر نہ تھا لیکن پھر سب نے دیکھا کہ انہوں نے نہ صرف خوب دولت کمائی بلکہ وہ ایک بڑی مافیا کی سیاست کا حصہ بھی بن گئے۔

جمہوریت حقیقی معنوں میں یہاں پنپنے ہی نہ دی گئی، بلکہ ہر بار نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ ایک ہی طرح کے کھیل نے اب عوام کے سارے طبق روشن کر دیے ہیں مگر سیاسی جماعتوں کے نسل در نسل مالکان ابھی بھی پرانے ادوار کی سنہری یادوں میں وہی چور سپاہی کا کھیل جاری رکھنے پر بضد ہیں۔ ہمارے آبا و اجداد نے ہندوستان سے ہجرت کی اور پاکستان کی راہ لی، وہ آج بھی ان دکھوں اور تکلیفوں کو نہیں بھولے مگر جب ان کی نسل مایوس ہو کر ایک اور ہجرت کی بات کرتی ہے تو ان کی روح چھلنی ہو جاتی ہے۔ ہر سیاسی جماعت میں ایسے محبِ وطن کارکن موجود ہیں جن کی سیاست کا محور پاکستان کو ایک پرامن، ترقی یافتہ اور فلاحی ریاست کے طور پر بنانا ہے اور جو واقعی موجودہ حالات اور سیاسی راستہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کیلیے بند ہونے پر فکرمند ہیں اور نجی محفلوں میں سیاسی جماعتوں اور ان کی قیادتوں کی ڈکٹیٹرشپ پر بھی نالاں ہیں۔ ان سب کو سیاسی نظام میں پھیلی ہوئی خرابیوں کے خلاف کھڑا ہونا ہوگا اور مزاحمت کرنا ہوگی کہ سیاست کے نام پر گھیراؤ، جلاؤ اور اداروں کو بلیک میل کر کے خود کو سیاسی تحفظ دینے کا سلسلہ اب ختم ہونا چاہیے۔

قوانین اور اصول صرف کتابوں میں ہی ملیں گے

شاہد کاظمی

آئین کا لفظ ہمیں صرف سیاستدانوں کے جلسوں میں سننے کو مل رہا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول مشہور ہے ''معاشرہ کفر پر تو قائم رہ سکتا ہے ظلم پر نہیں''۔ اس ایک قول کے تناظر میں اس وقت پورے پاکستان کا نظام ملاحظہ کر لیجیے تو آپ کو حالات کی خرابی کا ادراک ہو جائے گا۔

''آئین ایک مقدس دستاویز ہے'' ہم تقاریر میں نہ صرف اس فقرے کی اکثر گردان سنتے آئے ہیں بلکہ ہمیں نصاب میں بھی یہی تاثر دیا جاتا ہے کہ آئین کوئی ایسی دستاویز ہے جس کے تحت ملک میں انصاف کا بول بالا ہوتا ہے، ظالم کی بیخ کنی کی جاتی ہے، مساوات اور برابری کو عملی سطح پر نافذ کیا جاتا ہے، ہر ادارہ اپنی حدود و قیود میں رہ کر کام کرتا ہے۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ اسی مقدس دستاویز میں تحریر ضوابط کے تحت اپنا اپنا کام احسن طریقے سے کرتے ہیں۔

قائداعظم کے چودہ نکات ہوں ہو پھر قراردادِ مقاصد، آئینِ پاکستان ہو یا پھر وفاق اور اس کی اکائیوں کے حوالے سے اصول وضوابط، درسی کتب میں تو تفصیلات ازبر کروائی جاتی ہیں لیکن عملی سطح پر ہمیں دور دور تک کوئی تبدیلی قیام پاکستان سے آج تک نظر نہیں آتی۔ ہمیں جو درسی کتب میں آئین ملا، اس میں اقتدار کا منبع عوام تھے۔ لیکن یہ درسی کتب میں ہی کہیں لکھا رہ گیا۔ اور آج حال یہ ہے کہ عوام کا کوئی پرسان حال نہیں۔

عوام پر سب سے بڑا ظلم ہی یہی ہے کہ آئین نے عوام کو جو حقوق دیے ہیں، اشرافیہ ان سے بھی انہیں محروم رکھتی ہے اور پھر آئین کی بالادستی کا نعرہ بھی لگاتی ہے۔ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ عوام کو ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی یقینی بنانے کے بعد سیاستدان اقتدار کی جنگ پھر جیسے چاہے لڑتے، لیکن یہاں جس کو موقع ملا اس نے عوام کیلیے مشکلات ہی پیدا کیں۔

موجودہ حالات کے تناظر میں آئین کا لفظ ہمیں صرف عدلیہ کی راہداریوں، ایوان کے دریچوں اور سیاستدانوں کے جلسوں میں سننے کو مل رہا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کا دعویٰ ہے کہ انتخابات 90 دن میں کروائیں، آئین یہ کہتا ہے۔ الیکشن کمیشن کہتا ہے ہم نوے دن سے زیادہ میں کروائیں گے، یہ بھی آئین کہتا ہے۔ عدلیہ کہتی ہے ہم اپنا فیصلہ نافذ کروائیں گے، ہمیں آئینی اختیار ہے۔ پارلیمان کا دعویٰ ہے کہ ہم سپریم ادارہ ہیں، ہم پر مرضی کی رائے نہیں تھوپی جا سکتی، یہ ہمارا آئینی استحقاق ہے۔ فوج خاموش ہے، بقول شخصے کہ آئین یہی کہتا ہے۔ لیکن سیاستدان اس ادارے کی خاموشی کو بھی پسند نہیں کرتے اور ان کا بولنا بھی۔ کیوں کہ کچھ کو ان کی خاموشی گوارا ہے کچھ کو ان کا بولنا فائدہ مند ہے۔

ایک عام پاکستانی بھی سیاستدانوں سے یہ سوال کرنا شاید بھول گیا ہے کہ کیا آئین پاکستان صرف اقتدار کی تقسیم کا فارمولہ ہے یا اس سے بڑھ کر ہے؟ ہم یہ سوال کرنا گوارا ہی نہیں کرتے کہ کیا آئین پاکستان کی دستاویز اس لیے مقدس ہے کہ اس میں عوام کو حقوق دیے گئے ہیں یا یہ مل کر بندر بانٹ کے اصول پر ملک کو کھانے کی وجہ سے مقدس دستاویز ہے۔

عوام بنیادی طور پر صرف نعرے لگانے اور وقتی طور پر پروٹوکول لینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں (انتخابات کے دوران) ورنہ وہ اپنے سیاستدانوں سے یہ سوال کرنا گوارا نہیں کرتے کہ آپ بے شک عدلیہ و انتظامیہ کے درمیان الیکشن الیکشن کی لڑائی لڑیں، لیکن آئین کے آرٹیکل 25 (الف) میں جو کہا گیا ہے کہ سولہ سال تک کے بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم ریاست فراہم کرے گی، تو وہ ہمیں کب مہیا کی جائے گی؟ لیکن ہم سوال کرنے والی قوم ہی نہیں۔

اداروں کی لڑائی پر وہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ ہاتھیوں کی لڑائی میں چیونٹی ماری جاتی ہے۔ ہم اپنی عقل سیاستدانوں کی حمایت میں گلے پھاڑنے تک ہی استعمال کرتے ہیں، ورنہ کم از کم ہم تمام اداروں سے اتنا سوال تو کرتے کہ جناب آپ سب آپس میں لڑ لیں لیکن آئین کے آرٹیکل 32 میں جو بلدیاتی اداروں کے فروغ کا وعدہ کیا گیا ہے، اس پر کیوں عمل درآمد نہیں کیا جاتا؟ اور یہی سیاسی جماعتیں ہی بلدیاتی نظام میں کیوں روڑے اٹکاتی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بلدیات میں کسی نہ کسی طرح غریب کی رسائی ممکن ہو جاتی ہے اور یہی اداروں کو اور سیاستدانوں کو گوارا نہیں؟

ہمیں صرف الیکشن کی کھینچا تانی میں الجھا دیا گیا ہے اور عوام بھی نہ تو سیاستدانوں اور نہ ہی اداروں سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ آئین کی شق 37 میں تفصیل سے جو معاشرتی انصاف کا فروغ اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ بیان کیا گیا ہے، کیا اس کی جانب بھی ہمارے رہنما توجہ دے رہے ہیں۔ اس جانب توجہ دینا تو ہمارے رہنماؤں کی سیاست ہی ختم کر دیتا ہے تو بھلا وہ کیوں توجہ دیں گے۔ بس انتخابات کروائیں، پرانے کھانے والوں کو نکالیں کہ نئے کھانے والوں کو موقع ملے۔ کوئی پانچ سال کھاتا ہے کوئی تین سال اور بس۔

پاکستان کا المیہ یہ رہا ہے کہ ہمارے ہاں قراردادِ مقاصد ہو یا بابائے قوم کے اقوالِ زریں، آئینِ پاکستان ہو یا ادارہ جاتی قواعد وضوابط، درسی کتب میں پڑھنے کو سب کچھ میسر ہے جب کہ عملی سطح پر اس کا دس فیصد بھی نظر نہیں آتا۔ آئین میں عوام کو کیا حقوق حاصل ہیں، فلاحی ریاست کے کیا خدوخال بیان کیے گئے ہیں، طاقت و اختیار کا اصل منبع کسے قرار دیا گیا ہے، عوامی طاقت کیا ہوتی ہے، عوام کے سامنے حاکمِ وقت کی اوقات کیا ہے، تعلیم، صحت اور دیگر خدمات عامہ کے شعبہ جات کیسے ریاست کی ذمے داری ہیں؟ ان تمام عوامل کو آئینِ پاکستان سے بھلا دیا گیا ہے اور آئین کی مقدس دستاویز کو صرف اپنے اقتدار کو دوام دینے کیلیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود عوام اپنی دھن میں مگن ہیں، بھنگڑے ڈال رہے ہیں اور خودغرض سیاستدانوں کے حق میں نعرے لگا رہے ہیں۔

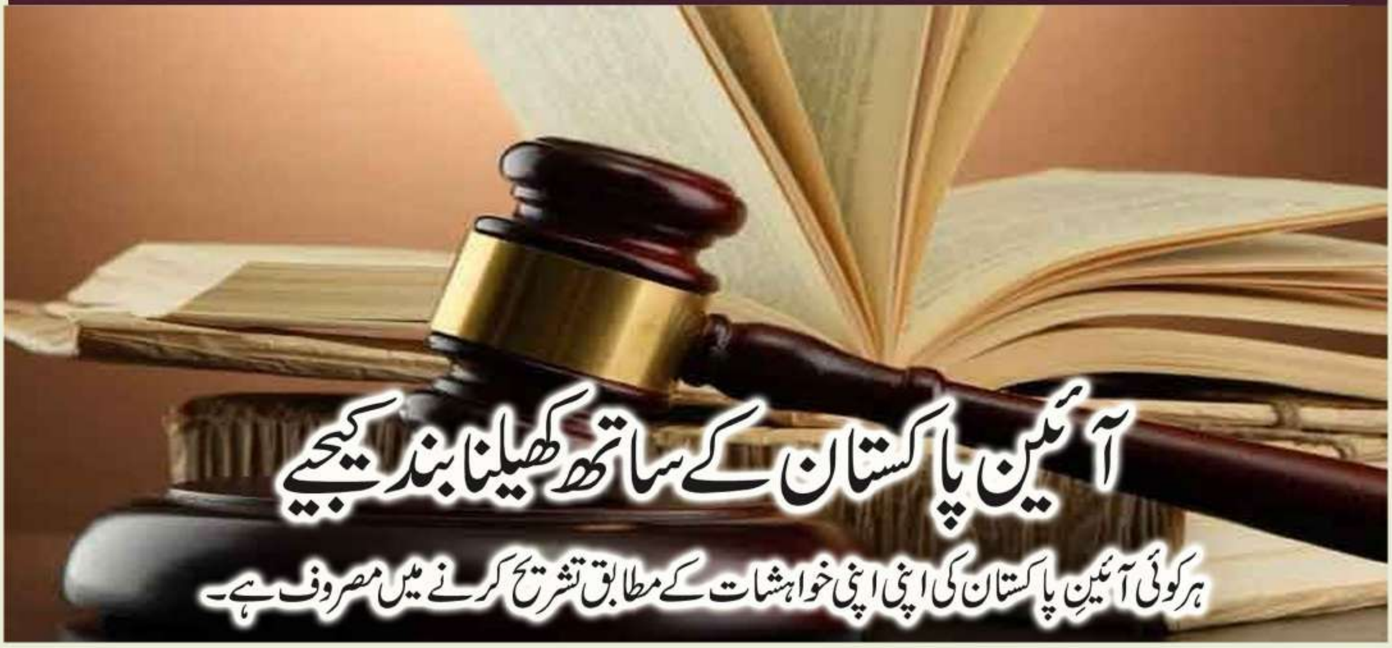

آئین پاکستان کے ساتھ کھیلنا بند کیجیے

ہر کوئی آئینِ پاکستان کی اپنی اپنی خواہشات کے مطابق تشریح کرنے میں مصروف ہے۔

محمد مشتاق ایم اے

ہر کوئی آئینِ پاکستان کی اپنی اپنی خواہشات کے مطابق تشریح کرنے میں مصروف ہے۔

ہمارے ملک خداداد پاکستان میں اس وقت جو آئین نافذ العمل ہے، اسے 1973 کے آئین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جسے اُس وقت کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر 10 اپریل 1973 کو پاس کیا تھا۔ 12 اپریل 1973 کو اس کی توثیق ہوئی اور 14 اگست 1973 سے یہ آئین ملک میں نافذ کر دیا گیا، جو آج تک مختلف ترامیم کے ساتھ اپنا وجود قائم رکھے ہوئے ہے۔ ورنہ اس سے پہلے ملک کا پہلا آئین جو 1956 میں بنا اور دوسرا جو 1962 میں بنا، دونوں ہی بوجوہ اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

بلاشبہ آئین کسی بھی ملک کی ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے کہ جس کے بغیر یا اسے سمجھے بغیر کاروبار حکومت چلانا ممکن نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہی وہ دستاویز ہے جو ملک کے شہری سے لے کر اس کے تمام اداروں کے حقوق و فرائض اور ذمے داریوں کا تعین کرتی ہے اور بالخصوص ملک کے آئینی اداروں کی حدود و قیود اور طریقہ کار بھی یہی آئینی دستاویز طے کرتی ہے۔ اس آئین کی کسی شق میں ترمیم کیسے کرنی ہے، یہ بھی آئین پاکستان ہی بتاتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں آئین کو ایک مقدم دستاویز کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور اس سے روگردانی گویا حب الوطنی سے روگردانی تصور ہوتی ہے۔ جب کہ اگر آئین سے سنگین غداری کا مرتکب ہوا جائے تو ایسے شخص پر آرٹیکل 6 کے تحت غداری کا مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے، جس کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے۔

اور یہ سب اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ کسی کو ملک کے آئین سے کھیلنے کی اجازت نہ دی جائے اور ملک کے افراد اور ادارے بغیر کسی حیل و حجت کے اپنے حقوق و فرائض کی روشنی میں کاروبار حکومت چلاتے رہیں۔

لیکن بدقسمتی سے جب ہم آئین پر متذکرہ بالا تمہیدی گفتگو کے بعد اپنے ملک میں آئین کی بالادستی کی بات کرتے ہیں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے اور 280 آرٹیکلز پر مشتمل اس مقدس و مقدم دستاویز کے ساتھ مختلف افراد، پارٹیوں اور اداروں کا سلوک دیکھتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔

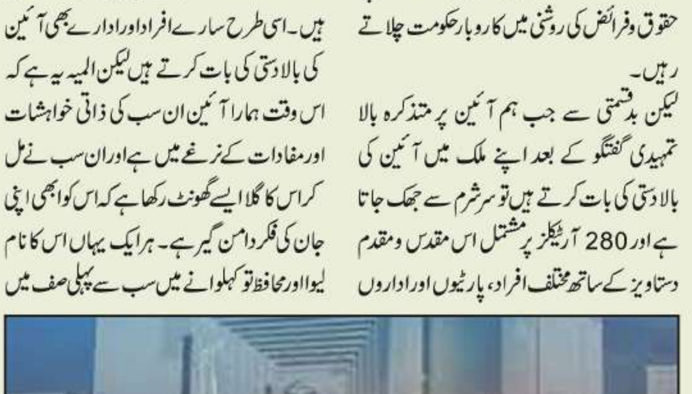

ہم یہ بات محض ہوا میں نہیں کر رہے بلکہ سیاسیات اور قانون کے طالب علم کے علاوہ محبِّ وطن شہری بھی ملک کے آئین کے ساتھ ہونے والے کھلواڑ پر نہ صرف افسردہ ہیں بلکہ اس بات پر متفکر ہیں جب آئین کو محض کاغذ کا ٹکڑا یا موم کی ناک بنا دیا گیا ہے تو اس کا مستقبل کیا ہوگا اور اس کے تحت ملنے والے حقوق کی ضمانت کون دے گا؟

ہمارے ملک میں موجود لاکھوں وکلا اور جج صاحبان کے علاوہ ملک کی سیاسی پارٹیاں اور ان کے قائدین اور ان کے قانونی ماہرین سب کے سب خود کو آئین کا حافظ اور محافظ نہ صرف کہتے ہیں، بلکہ سمجھتے بھی ہیں۔ اسی طرح سارے افراد اور ادارے بھی آئین کی بالادستی کی بات کرتے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ اس وقت ہمارا آئین ان سب کی ذاتی خواہشات اور مفادات کے نرغے میں ہے اور ان سب نے مل کر اس کا گلا ایسے گھونٹ رکھا ہے کہ اس کو ابھی اپنی جان کی فکر دامن گیر ہے۔ ہر ایک یہاں اس کا نام لیوا اور محافظ تو کہلوانے میں سب سے پہلی صف میں کھڑا نظر آتا ہے لیکن ان سب کے عملی اقدامات ایسے ہیں کہ آئین کو خود سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس کے کس آرٹیکل کی اصل تشریح ہے کیا اور اس کا مقصد کیا ہے؟

اس المیہ پر مزید المیہ یہ ہے کہ ہم ملک میں آئین کے ساتھ ہر طبقہ فکر کا یہ سلوک دیکھتے ہیں تو جب اپنے حقوق کے بارے میں آئین پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ہم اسے لطیفہ سمجھ کر ہنسیں یا ایک ایسی حقیقت سمجھ کر روئیں جس کی کوئی تعبیر ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ماضی میں جھانکیں تو 1977 میں اسے لپیٹ کر رکھ دیا گیا، پھر 1999 میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ پھر بعد میں بھی جس کا جو دل کیا، اس نے اس کی تشریح کر کے اپنا کام چلایا اور چلتا بنا۔

آج کل ہمارے ملک میں آئین کی مختلف شقوں کی مختلف افراد، طبقوں، اداروں اور پارٹیوں کی جانب سے جو تشریح کر کے خود کو سب سے معتبر اور دوسروں کو آئین کا مخالف ثابت کیا جا رہا ہے، اس سے عام محبِّ وطن آدمی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ہمارے آئین میں ایسی کیا راکٹ سائنس ہے جو اتنے بڑے دماغوں کو بھی سمجھ میں نہیں آ رہی۔ اصل بات یہ ہے کہ سمجھتے یہ سب ہیں لیکن اس کی ہر شق کی تشریح اور نفاذ اپنی خواہشات اور مفادات کی چھتری تلے کرنے پر مجبور ہیں، ورنہ کبھی ایک کا اور کبھی دوسرے کا بوریا بستر گول ہو سکتا ہے۔

ہماری ان سب سے دست بدستہ درخواست ہے کہ ملک کے متفقہ آئین کو موم کی ناک نہ بنائیں کہ ضرورت کے تحت جب چاہیں وہاں موڑ لیں بلکہ ملک اور عوام کی حالت پر رحم کریں۔ اور خود کو آئین کی عملداری میں لے کر آئیں اور اگر کسی کو واقعی آئین کی کسی شق کی تشریح سمجھ میں نہیں آ رہی تو اسے چاہیے کہ آئین و قانون کے کسی ماہر استاد کے پاس ٹیوشن رکھ لے تاکہ آئین کے ساتھ جاری کھلواڑ کو بند کیا جا سکے۔ ہماری اس روش پر اپنے تو اپنے، اب تو پرائے بھی ہنسنے لگے ہیں۔ اپنا نہیں تو اپنے ملک کا ہی خیال کر لیجیے۔

”صحافت کا حال ایسا ہی ہے جیسے کراچی کی شاہراہیں“

اجتماعی سطح پر اردو لکھنے یا پڑھنے والوں کی تخلیقی صلاحیت بتدریج تنزلی کا شکار ہے۔

سینئر صحافی و کالم نگار غازی صلاح الدین قدرے عجلت میں اپنی نشست سے کھڑے ہوئے اور روسٹرم کے قریب پہنچ گئے

وقاص علی

اجتماعی سطح پر اردو لکھنے یا پڑھنے والوں کی تخلیقی صلاحیت بتدریج تنزلی کا شکار ہے۔

سینئر صحافی و کالم نگار غازی صلاح الدین قدرے عجلت میں اپنی نشست سے کھڑے ہوئے اور

روسٹرم کے قریب پہنچ گئے۔ مائیک ڈاکٹر یاسمین فاروقی کی گرفت میں تھا اور جیسے ہی میزبان نے غازی صاحب کا تعارف پیش کرنا چاہا تو مہمان مقرر گویا ہوئے ’وقت کے دامن میں تعارف کی گنجائش نہیں‘ اور جھٹ سے مائیک سنبھال لیا۔ ان کا پہلا جملہ ہی برجستہ اور موجودہ حالات سے مطابقت پر مبنی کہ ’صحافت کا حال بالکل ایسا ہی جیسے ان دنوں مرکزی اور نیم مرکزی شاہراہوں کا ہے‘۔

انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام دو روزہ ’اردو ادب و صحافت کانفرنس‘ کا دوسرا روز تھا اور اس کے پہلے ہی سیشن میں غازی صلاح الدین ور سینئر صحافی مظہر عباس سمیت دیگر کو ”اردو اور صحافت“ سے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ انجمن ترقی اردو کی پرشکوہ عمارت میں انتظامی امور مکمل تھے، مقررین کے پیش نظر ہال میں نشستوں کی تعداد بھی بھرپور تھی لیکن 95 فیصد خالی تھیں کیونکہ مقررین سمیت سامعین یونیورسٹی روڈ پر بدترین ٹریفک جام ہونے کے باعث بروقت کانفرنس کا حصہ نہیں بن سکے تھے۔ اگرچہ مظہر عباس کانفرنس میں شرکت کیلیے بتائے گئے وقت پر پہنچ گئے لیکن وہ سامعین اور دیگر مقررین کا انتظار کرتے رہے اور جب ایک گھنٹہ تاخیر سے تقریب کا آغاز ہوا تب تک وہ جا چکے تھے کیونکہ انہیں کراچی پریس کلب میں منعقد ’ریاستی جبر کا پہلا شہید کامریڈ حسن ناصر‘ کی ایک تقریب میں بطور مہمان مقرر شرکت کرنی تھی۔

قبل اس کے کہ کانفرنس میں غازی صاحب کی فی البدیہہ تقریر کے اہم اقتباسات تحریری انداز میں پیش کیے جائیں، ضروری سمجھتا ہوں کہ ان حالات کو بھی سامنے رکھوں جو صوبائی اداروں کی نااہلی اور فرائض کی عدم ادائیگی کی ناقابل تردید مثال ہیں۔ کانفرنس کے پہلے سیشن کا آغاز 4 بجے طے تھا۔ راقم مقررہ وقت پر پہنچنے کیلئے آدھا گھنٹہ پہلے موٹرسائیکل پر غریب خانہ سے نکلا۔ ٹی 20 ورلڈ کپ کے فائنل میچ کی وجہ سے شاہراہ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ جیسے ہی براستہ صفورہ یونیورسٹی روڈ پہنچا گاڑیوں کا اژدھام نمودار ہوا اور تا حد نگاہ گاڑیاں تھیں۔

یونیورسٹی روڈ پر ریڈ لائن منصوبے کی ہیوی مشینیں بے ہنگم شور کے ساتھ کام کر رہی تھیں، گرد آلود ماحول نے ہیجان کی کیفیت میں اضافہ کر دیا۔ دوسری جانب این ای ڈی یونیورسٹی میں منعقد ٹیسٹ میں شرکت کیلیے سیکڑوں طلبا کے والدین

> مقررین کے پیش نظر ہال میں نشستوں کی تعداد بھی بھرپور تھی لیکن 95 فیصد خالی تھیں کیونکہ مقررین سمیت سامعین یونیورسٹی روڈ پر بدترین ٹریفک جام ہونے کے باعث بروقت کانفرنس کا حصہ نہیں بن سکے تھے

جامعہ کے باہر اپنے بچوں کا انتظار کر رہے تھے۔ والدین نے گاڑیاں پارک کیں تو مرکزی شاہراہ پر ٹریفک کا دباؤ مزید بڑھ گیا۔ اس صورتحال میں نمایاں بات یہ تھی کہ گاڑیوں کے بہاؤ کو برقرار رکھنے کیلیے کوئی انتظامی معاملات نظر نہیں آئے۔ انگریزی صحافت کا معیار اور اثر بھی ہے لیکن اردو صحافت کا وہ مقام نہیں

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مرکزی شاہراہ پر ترقیاتی کاموں کی وجہ سے این ای ڈی یونیورسٹی کے وسیع و عریض پارکنگ ایریا میں والدین کو اپنی گاڑیاں

پارک کرنے کی اجازت دی جاتی۔ دوسری جانب محکمہ ٹریفک کے پولیس اہلکاروں کی یونیورسٹی روڈ پرعدم موجودگی سے افسران کی غیرسنجیدگی واضح تھی۔ اتنے بڑے منصوبے کی تکمیل کے دوران کئی مسائل جنم لیتے ہیں جس میں ٹریفک کی بلاتعطل روانی اہم ترین ہے لیکن ٹریفک کے بہاؤ کو برقرار رکھنے کیلئے اہلکار تعینات نہیں تھے۔

مجموعی طور پر کراچی میں انتظامی سطح پر مایوس کن کارکردگی کے نتیجے میں اب بہتری کی امید بھی معدوم ہوتی جارہی ہے۔ وہ فرائض وانصرام جو صوبائی حکومت کے ماتحت اداروں کے ذمے ہیں، متعلقہ اداروں کے سربراہوں کی بے اعتنائی ہر جگہ نمایاں ہے۔ کراچی کی مزکری اور نیم مرکزی شاہراہیں ہوں یا سرکاری اسپتال، عوامی لائبریری ہو یا پولیس اسٹیشن، گویا جس سمت بھی نگاہ ڈالی جائے زبوں حالی کے مناظر ہیں۔

انگریزی سیکھنے کیلیے کسی درسگاہ کا رخ نہیں کیا، غازی صلاح الدین

غازی صلاح الدین نے روسٹرم پر آ کر مائیک سنبھالا اور حاضرین سے گویا ہوئے کہ صحافت کا

حال بالکل ایسا ہی ہے جیسے ان دنوں مرکزی اور نیم مرکزی شاہراہوں کا ہے''۔ اس جملے پر گنتی کے چند حاضرین مسکرا دیے اور تالیاں بھی بجا ڈالیں کیونکہ وہ سب یونیورسٹی روڈ پر ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے اذیت جھیل کر بمشکل انجمن ترقی اردو کی عمارت تک پہنچ پائے تھے۔

غازی صلاح الدین نے اپنی بات جاری رکھی اور اردو اور انگریزی صحافت کی اثر پذیری سے متعلق فرمایا'' اگر آپ اس ملک میں فیصلہ سازی یا لوگوں کو متاثر کرنے یا معاشرے سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ اردو صحافت سے نہیں بلکہ انگریزی صحافت کے ذریعے ممکن ہے۔ میں نے انگریزی سیکھی اور اس کیلیے کسی درسگاہ کا رخ نہیں کیا بلکہ مطالعہ کرکے اس کمی کو دور کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ انگریزی صحافت کا معیار اور اثر بھی ہے لیکن اردو صحافت کا وہ مقام نہیں۔ یہ ایک المیہ ہے جس کے بارے میں اثر سوچتا ہوں کہ اس کے اسباب کیا ہیں؟ انگریزی کا غلبہ اردو ادب، اردو زبان اور اردو صحافت کیلیے کس قدر متاثر کن ہے؟''

''انگریزی سر کا تاج بھی اور پاؤں کی زنجیر بھی''

غازی صاحب نے کہا کہ لوگ اردو کی عظیم تخلیقات کو نہیں پوچھتے۔ اس وقت جہاں ہم ہیں صورتحال یہ ہے کہ ملک کے پڑھے لکھے لوگ انگریزی لٹریچر پڑھتے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ اردو تخلیقات کی فروخت ملک میں معمولی جبکہ جو انگریزی ادب کی پاکستانی ادیبوں کی تخلیقات ہیں وہ مغربی ممالک میں غیر معمولی فروخت پاتی ہے۔ یہ ایک ایسی صورتحال ہے جس کو سمجھانا اور سمجھنا بہت مشکل ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مرکزی شاہراہ پر ترقیاتی کاموں کی وجہ سے این ای ڈی یونیورسٹی کے وسیع وعریض پارکنگ ایریا میں والدین کو اپنی گاڑیاں پارک کرنے کی اجازت دی جاتی۔ دوسری جانب محکمہ ٹریفک کے پولیس اہلکاروں کی یونیورسٹی روڈ پرعدم موجودگی سے افسران کی غیرسنجیدگی واضح تھی۔ اتنے بڑے منصوبے کی تکمیل کے دوران کئی مسائل جنم لیتے ہیں جس میں ٹریفک کی بلاتعطل روانی اہم ترین ہے لیکن ٹریفک کے بہاؤ کو برقرار رکھنے کیلئے اہلکار تعینات نہیں تھے۔

غازی صاحب نے بتایا کہ ''انگریزی زبان دیوار بھی ہے اور دروازہ بھی۔ یہ دروازہ ترقی کو روکتا ہے اور اچھی انگریزی آنے کی صورت میں مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔ انگریزی سر کا تاج بھی اور پاؤں کی زنجیر بھی کہ ہم دنیا بھر میں اکڑتے پھرتے ہیں کہ دیکھئے ہماری انگریزی کیسی ہے۔ ہمارے ملک میں بے شمار لوگ انگریزی سیکھنے میں اپنی زندگیاں بتا دیتے ہیں اور باقی کچھ نہیں کرپاتے۔ یہ ایک انتہائی تشویشناک بات ہے۔''

''تخلیقی صلاحیت اپنی زبان میں پیدا ہوتی ہے''

انہوں نے کہا کہ ''اجتماعی سطح پر اردو لکھنے یا پڑھنے والوں کی تخلیقی صلاحیت بتدریج تنزلی کا شکار ہے کیونکہ انہیں حوصلہ افزائی نہیں مل رہی جس کے نتیجے میں ملک میں Intellectual Deprivation بڑھتی جارہی ہے۔ جامعہ کراچی میں تقریباً 40 ہزار طالبعلم ہیں اور تدریسی شعبے سے وابستہ تقریباً 700 یا 800 اساتذہ پی ایچ ڈی ہیں، وہ معاشرے کو کیا دے رہے ہیں؟
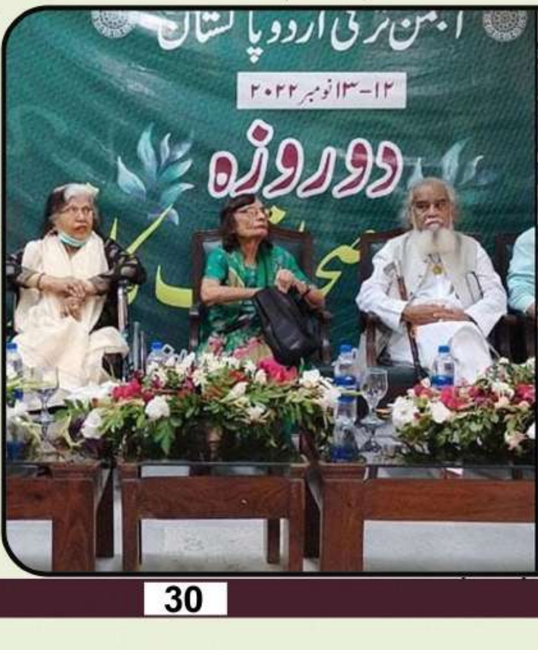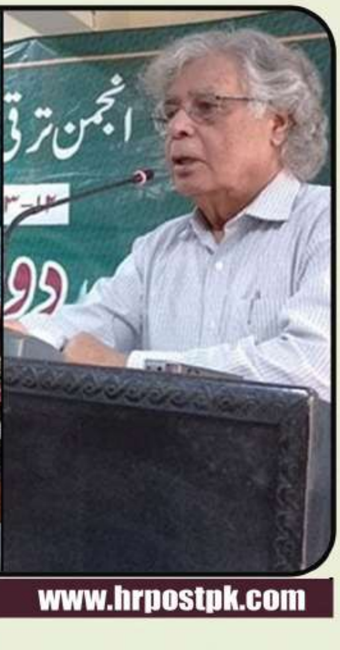
اس پر ہمیں بہت غور کرنا ہے کہ اگر ملک کا ہر شہری خواندہ ہوجائے یعنی وہ اپنی مادری زبان (سندھی، پنجابی، پشتون، بلوچی وغیرہ) میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لے تو دراصل ایسا ہونے سے اردو کو فروغ حاصل ہوگا کیونکہ اس طرح اجتماعی دانش میں اضافہ ہوگا۔ اصل مسئلہ اس کی تخلیقی صلاحتیت کیا ہے؟ اور تخلیقی صلاحیت پیدا ہوتی ہی اپنی زبان میں ہے اور اس معاملے میں ہم بہت پیچھے ہیں۔''